رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷ جولائی سنہ ۱۹۳۷ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت:- پانچ روپیہ (۵) سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

رسول اللہ صلعم کے حالات وغزوات، اخلاق وعادات اور تعلیم وارشاد کا یہ عظیم الشان کتابی ذخیرہ جسکا نام سیرۃ النبی عام طور سے مشہور ہی مسلمانوں کے موجودہ ضروریات کو سامنے رکھکر صحت و اہتمام کیساتھ مرتب کیا گیا ہی ابتک اس کتاب کے پانچ حصے شائع ہو چکے ہین پہلے مین ولادت سے لیکر فتح مکہ تک کے حالات اور غزوات ہین اور ابتدا میں ایک نہایت مفصل مقدمہ لکھا گیا ہی، جسمین فن سیرت کی تنقید وتاریخ ہی، دوسرے حصہ مین تکمیل دین تاسیس حکومت الٰہی ووفات، اخلاق وعادات، اعمال وعبادات اور اہلبیت کرام کے سوانح کا مفصل بیان ہی تیسرے حصہ مین آپکے معجزات وخصائص نبوت پر بحث ہی، اسمین سب سے پہلے عقلی حیثیت سے معجزات پر متعدد اصولی بحثین کیگئی ہین، پھر ان معجزات کی تفصیل ہے، جو بروایات صحیحہ ثابت ہین، اسکے بعد ان معجزات کے متعلق غلط روایات کی تنقید وتفصیل کیگئی ہی، چوتھے حصہ مین ان اسلامی عقائد کی تشریح ہے جو آپکے ذریعہ مسلمانون کو تعلیم کئے گئے ہین، کوشش کیگئی ہی کہ اسمین قرآن پاک اور احادیث صحیحہ سے اسلام کے عقائد لکھے جائین، پانچوین حصہ مین عبادت کی حقیقت، عبادات کی تفصیل وتشریح اور ان کے مصالح وحکم کا بیان ہی، اور دوسرے مذاہب کے عبادات سے ان کا مقابلہ وموازنہ ہے،

چھٹا حصہ جو اخلاق پر مشتمل ہے اس وقت زیر طبع ہے،

قیمت باختلاف کاغذ حصہ اول تقطیع خورد للعہ/ حصہ دوم تقطیع کلان سے/ تقطیع خورد صہ/ ۸/ حصہ سوم تقطیع کلان سے/ للعہ/ تقطیع خورد معہ/ وصہ/ حصہ چہارم تقطیع کلان سے/ دسے/ تقطیع خورد معہ/ وصہ/ حصہ پنجم تقطیع کلان صہ/ وللعہ/

(منیجر دار المصنفین اعظم گڈہ)

جلد ۴۰	ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۳۷ء	عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

"ہماری زبان کا نام" کے عنوان سے میری جو تقریر اخبارون مین اور الگ رسالہ کی شکل مین چھپی ہے اور جس مین یہ دکھایا گیا ہے، کہ ہماری مروجہ زبان کا صحیح نام "ہندوستانی" ہے، اس کے متعلق پروفیسر امرناتھ جھا (الہ آباد یونیورسٹی) نے ایک انگریزی مضمون لیڈر مین لکھا ہے، جس کو سرچ لائٹ پٹنہ نے اپنی ۵ رجون ۱۹۳۷ء کی اشاعت مین نقل کیا ہے، موصوف کو یہ دھوکا ہوا ہے کہ اس تحریک کے ہمدرد اردو اور ہندی کو ملا کر ایک نئی زبان بنانا چاہتے ہین، اور یہ دھوکا ان کو ہندوستانی اکاڈمی کے بعض کارکنون کے اس تخیل سے ہوا ہے، کہ وہ اردو اور ہندی کو آسان کرکے دونون کو ملانا چاہتے ہین، حالانکہ اس تحریک کو ہندوستانی اکاڈمی کے بعض کارکنون کے تخیل سے دور کا بھی تعلق نہین،

موصوف کا دعویٰ ہے کہ صوبہاے متحدہ کے شہرون کی زبان اردو، اور دیہاتون کی زبان ہندی ہے، "اگر غیر فصیح اردو، اور کچی زبان کو کوئی اپنی اصطلاح بنا کر ہندی کہدے، تو ہم کو اعتراض نہین، لیکن اگر ہندی سے مراد وہ زبان ہے جس مین ہندی رسالے، اور مضمون اور اشعار آجکل لکھے جا رہے ہین تو دعویٰ کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہمارے دیہاتون کی بولی نہین، اور نہ دیہاتی اُن کو سمجھ سکتے ہین، صوبہ کے مختلف حصون کی دیہاتی بولیان ایک دوسرے سے بالکل الگ ہین، اور وہ صرف دہقانی کچی بولیان ہین جو ادب اور شعر اور علم و فن کی زبان نہین، اور نہ ہو سکتی ہین،

یہ کچھ اردو اور ہندوستانی ہی کی خصوصیت نہین، دنیا کی ہر زبان کی شہری اور دیہاتی زبانون مین بہت بڑا فرق ہوتا ہے، لیکن اس فرق سے وہ دو زبانین نہین بنجاتین، دیہاتی انگریزی اور شہری

انگریزی ایک نہین، دیہاتی گورون اور لندن اور اوکسفرڈ و کیمبرج کے باشندون کی زبانین یقیناً یکسان نہین، مگر یہ کوئی نہین کہہ سکتا کہ وہ دو زبانین ہین، اگر آج آپ کسی دیہاتی بولی کو ادبی و علمی زبان بنانے کی کوشش کرینگے تو شاید آپکا یہ خیال ہوگا کہ اب ملک کی ایک زبان بنگئی، مگر یہ سراسر علمی دھوکا ہے، تجربہ بتائیگا کہ چند سال بھی اس مصنوعی زبان پر گذرنے نہ پائین گے کہ شہر اور دیہات کی ضرورتون اور تمدنون اور خیالات کے اختلاف کی وجہ سے وہ پھر اپنی یکسانی کھودیگی اور ایک غیر فصیح کچی بولی اور دوسری فصیح معیاری زبان بنجائیگی، ادبیات کی تاریخ مین اس واقعہ کی مثالین کم نہین،

بہار گورنمنٹ نے اپنے حالیہ گزٹ مین صوبہ بہار کی زبان "ہندوستانی" قرار دی ہے، اور اجازت دیدی ہے کہ عدالتون اور دفترون مین وہ اردو، کیتھی ہندی ناگری اور رومن رسم الخطون مین لکھی جا سکتی ہے، اب یہ اردو جاننے والون کا کام ہے کہ عدالتون، ڈاکخانون اور سرکاری دفترون مین اردو کے رواج کو بڑھائین، اور اردو فارمون اور کاغذون کو خاص طور سے کام مین لائین تاکہ یہ ثبوت بہم پہنچے کہ اس صوبہ مین اردو جاننے والون کی تعداد کتنی بڑی ہے،

شہزادہ دارا شکوہ نے سرِّ اکبر کے نام سے سنسکرت سے فارسی مین اپنشد کا جو ترجمہ ۱۰۶۷ھ مین کیا تھا، اس کا ایک جدید الخط نسخہ اس وقت بک رہا ہے، چونکہ دار المصنفین مین اس کا نسخہ پہلے سے موجود ہے، اس لئے اہل شوق کو اطلاع ہے کہ جو صاحب چاہین اسکو خرید فرمالین، نسخہ کی ضخامت پانچسو صفحون کی ہے، دو روپیہ جزء (۱۶ صفحے) کے حساب سے قیمت ہونی چاہئے، اب خریدار اور بائع کے درمیان جوڑ ہوجائے، فرمائش دفتر کے پتہ سے آئے،

امسال دار المصنفین کی طرف سے سیرۃ النبی جلد ششم کے علاوہ تین کتابین اور شائع ہو رہی ہین، **مقالات شبلی** کا چھٹا حصہ تاریخی حصہ پر مشتمل اسی مہینہ شائع ہو چکا ہے، **تابعین** کی سیر چھپ رہی ہے، اور سیوم کی اہم فلسفیانہ کتاب کا نہایت سلجھا ہوا ترجمہ زیر طبع ہے، یہ ترجمہ پروفیسر عبد الباری ندوی (جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن) کا رہین منت ہے،

مچگان یونیورسٹی امریکہ نے اسلامی فنون صناعی مین خاص طور سے دلچسپی لی ہے، آرس اسلامیکا مشہور اسلامی صناعی کا رسالہ اسی کی طرف سے نکلتا ہے، اب یونیورسٹی مذکور نے اسلامی فنون صناعی کی تاریخ و تحقیقات کا ایک

شعبہ قائم کیا ہے، اور اسکی طرف سے اس شعبہ کا نصاب ہمارے پاس بھیجا گیا ہے، تعلیم کی مدت دو سال ہے، تعلیم کی فیس مقامی طالب علمون کے لئے پچپن اور دوسرون کے لئے پچتر شلنگ، پہلے سال اسلامی فنون اور اسلامی ملکون کی تعمیرون کی تاریخ پڑھائی جائیگی، اور دوسرے سال اسلامی ملکون کی نقاشی اور اسلامی آرٹ کی ترقی کی تاریخ آغاز سے لیکر اٹھارہوین صدی تک، عربی، ایرانی، ترکی اور ہندی ملکون مین اسلامی فن تعمیر کی تاریخ اور ان فنون مین طرز تحقیق کی تعلیم دیجائیگی،

پچھلے مارچ مین جرمنی کی ہالے یونیورسٹی کے علوم مشرقیہ کے پروفیسر بادر کا انتقال ہوگیا، وہ لسانیات کے ماہر تھے، وہ یورپ کی تقریباً جملہ زبانون کے جاننے کے علاوہ ساری سامی زبانون سے واقف تھے اور تورانی زبانون خصوصاً چینی زبان مین خاص مہارت رکھتے تھے، اس حیرت انگیز وسیع لسانیاتی واقفیت کے سبب سے وہ راس شمرہ کی کھدائیون مین بعض نئے خطوں کے کتبون کے برآمد ہونے پر اُن کو حل کر سکے، ماسوف علیہ کو امام غزالی کی احیاء العلوم سے خاص دلچسپی تھی، اس کے متفرق ابواب کے ترجمے اکثر شائع کرایا کرتے تھے، اسلامی علم مرایا ومناظر پر بھی بعض اچھے مضمون لکھے تھے، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے شریک ناشر بھی تھے، اور فلک، حاء، حفص الفرد وغیرہ عنوانون پر اس مین مقالے لکھے تھے، "حروف تہجی کی ابتدا" پر ان کی ایک جرمن تالیف اسوقت مطبع مین ہے،

ابن ندیم کی کتاب الفہرست کا نیا نسخہ جرمن پروفیسر فیوک نے تیار کر لیا ہے، اس نسخہ کی تکمیل مین مدینہ منورہ کے نسخہ کی نقل بھی شامل ہے، اور شاید ٹونک کا ہندی نسخہ بھی شریک کار رہا ہے، امید کہ یہ نسخہ پہلے سے زیادہ مکمل ہوکر شائع ہوگا،

اس وقت جرمنی مین حسب ذیل کتابین چھپ رہی ہین،

۱- الٰہی نامہ فریدالدین عطار، مرتبہ ڈاکٹر رٹر،

۲- بیان مذہب الباطنیہ والبطلانہ لمحمد بن حسن الدیلمی مرتبہ پروفیسر اشٹروٹمان،

۳- کتاب اخبار القضاۃ للقاضی وکیع مرتبہ پروفیسر شافٹ،

۴- استانبول کی عربی قلمی کتابین علم حدیث پر (جرمن زبان مین) مرتبہ پروفیسر وائلس وائلز،

مقالات

خطبہ صدارت

شعبہ علوم و فنون اسلامی

(جو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی پنجاہ سالہ جوبلی کے موقع پر ۲۰ر مارچ ۳۷ء کو بمقام اسٹریچی ہال مسلم یونیورسٹی مین پڑھا گیا)

(۲)

اسلامی مفتوحہ ملکوں سے یورپ کو جو کتابین منتقل ہوئین، ان کا کم از کم یہ نتیجہ نکلا کہ وہ ناقدر غافل اولادون کے قبضہ سے نکل کر قدردانون کے ہاتھوں میں پہونچیں، اور کیڑوں کی خوراک بننے سے بچ گئین، انکی ترتیب ہوئی، درستی ہوئی، اور ان کی حفاظت کی تدبیرین ہوئیں، ان کی فہرستیں بنکر چھپیں اور اہل علم کو ان کا علم ہوا، اور ان سے فائدہ اٹھایا جا سکا،

اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ یورپ کے مشرقی علوم کے فاضلوں نے ان میں سے بہت سی کتابوں کو پڑھ کر ان کی دقتوں کو حل کر کے ان کی تصحیح و تعلیق کر کے بہت عمدگی کیساتھ ان کو چھاپکر شائع کیا، اور ہر صاحب علم کیلئے اون سے فائدہ اٹھانا ممکن ہوا، اور اس سے اسلامی علوم و فنون کی تحقیق میں بہت بڑی مدد ملی، آج ان کی اس محنت کی بدولت اسلامی تاریخ، طبقات، جغرافیہ، ادب، شعر، لغت، فلسفہ و کلام، ہیئت و کیمیا، اور بہت سے علوم کے متعلق اتنی کتابین ہر شخص کے دسترس میں آگئیں، جو اس سے پہلے قطعاً نہ تھیں،

جس محنت سے ڈوزی نے اپنا ضمیمہ لغات عربی مین ترتیب دیا، سخاؤ نے کتاب الہند کی تصحیح کی، دی گوئی نے تاریخ طبری کو، مارگلیوتھ نے طبقات الادبا یاقوت کو، فلوگل نے ابن ندیم کی فہرست کو، شریک نے خوارزمی

کے جغرافیہ کو، چارلس ہنری میاس میکارٹنی نے ذو الرمہ کے دیوان کو، بیوان نے نقائض جریر و فرزدق کو، ڈاکٹر
گیرنے اعشی کے دیوان کو، ریٹر نے امام اشعری کی مقالات الاسلامیین کو، اور مختلف مستشرقون نے سیکڑون کتابون
کو سالہا سال کی جس محنت، جانفشانی، اور کوشش سے تلاش و محنت اور تصحیح و مراجعت کے بعد چھا پکر شائع کیا
وہ ہر مسلمان کی منت پذیری اور سپاسگذاری کے قابل ہے،

مدت درازے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے نام سے اسلامی علوم و فنون کا قاموس تیار ہو رہا ہے، اور
اس سے بڑھکر یہ کہ وینسنک کی کوشش سے ہماری احادیث کی ضخیم فہرست بہ ترتیب تہجی بن رہی ہے، غور
کے قابل ہے، کہ یہ کام کس کے کرنیکا تھا، اور کون کر رہا ہے نتیجہ ظاہر ہے کہ قدم قدم پر ان سے ان امور میں جو
مسلمانون کے مذہب، تاریخ اور تمدن سے متعلق ہیں، لغزشیں ہوئی ہین، خواہ ان کو دانستہ تعصب کہئے، یا نادانی
کی غلطی ہر حالت میں نتیجہ ایک ہے، یعنی ان کی تحقیقات بہت حد تک مسلمان نوجوانوں کی گمراہی کا باعث بنتی ہین،
یہی وینسنک صاحب ہیں، جو حدیثوں کی فہرست بنا رہے ہیں، وہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں نماز پر ایک مضمون
لکھتے ہیں، اور موطا کی سب سے پہلی حدیث "وقوت الصلوۃ" کا غلط مطلب سمجھ کر یہ نتیجہ نکالتے ہیں، کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز
کے زمانہ تک اسلام میں پانچ وقتوں کی نمازوں کا تعین نہیں ہوا تھا، مارگولیوتھ لائف آف محمد میں اللہ کو اللات
سے اور مسلم کو مسیلمہ کذاب سے اور دین حنیف کو قبیلہ بنی حنیفہ سے مشتق کرتے ہیں، وکانوا یعبد ونهما کا ترجمہ
یہ کرتے ہیں، کہ حضرت محمد رسول اللہ صلعم اور حضرت خدیجہؓ سونے سے پہلے لات اور عزی کی پوجا کیا کرتے تھے،
نولڈکی نے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع ۱۲ میں قرآن پاک پر جو مضمون لکھا ہے، وہ حد درجہ گمراہ کن ہے، اور
اہل علم کے لئے مضحکہ خیز اور اعتراضات سے لبریز ہے، یغاث الناس کا ترجمہ غیث سے لیکر یہ ارشاد ہے کہ قرآن
کے مصنف کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ مصر کی سیرابی آسمانی بارش سے نہیں ہوتی، بلکہ دریائے نیل سے ہوتی ہے،
سینا کی جمع طور سینین میں حرف قافیہ کی پابندی کی ہے، اور یہ بھول گئے کہ عبرانی تورات میں اسکو سینا ئم جمع کیا گیا تھا
استعمال کیا گیا ہے، علیہا تسعۃ عشر کی نسبت ارشاد ہے، کہ حرف قافیہ کے لئے یہ تعداد ہے، مگر یہ نہ سوچا گیا، کہ

کہ احد عشر سے تسعۃ عشر تک قافیہ تو یکساں ہو سکتا تھا، پھر تسعۃ عشر کو ان میں سے منتخب کرنا ظاہر ہے کہ کسی اور
حقیقت پر مبنی ہے، سر ولیم میور حضرت حسانؓ کے اس مصرع کا و تصبح غرثی من لحوم الغوافل جو حضرت
عائشہؓ کی مدح میں ہے، یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ اس میں شاعر نے حضرت عائشہؓ کے دبلی پتلی اور چھریری ہونے پر
طنز کیا ہے، حالانکہ شعر کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی کی غیبت نہیں کرتیں، غرض مستشرقین نے عموماً اسلامی مباحث
میں جہان ذرا بھی اسلام، قرآن، اور سیرت نبوی کا تعلق آیا ہے، دانستہ یا نادانستہ طور سے افسوس ہے کہ بڑی
بیدردی سے سچائی کا خون کیا ہے، اور چونکہ وہ محققانہ انداز اور سلیقہ سے اثنائے تحقیقات میں بظاہر بلا ارادہ
اس قسم کی باتوں کو لکھ جاتے ہیں، اسلئے مسلمان ناظرین اور طالب علموں کو بہکنے اور بھٹکنے کے پے در پے موقع آتے
رہتے ہیں، اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ

قاصد رقیب بود و من غافل از فریب
بیدرد مدعائے خود اندر میانہ ساخت،

ابھی چند سال کا ذکر ہے کہ ایک نوجوان پی ایچ ڈی نے حضرت ابن عباسؓ کی نسبت ایسے مکروہ
الفاظ لکھے کہ ہر مسلمان کو تکلیف روحانی ہوئی، اور اس پر کمال یہ ہے کہ وہ اسکو اسلام کی خدمت سمجھے، اور
میں نے سنا ہے، کہ انھیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ابن عباسؓ کون ہیں، اور اسلام اور پیغمبر اسلام سے ان کا
کیا رشتہ ہے،

زنادانی براو گردید ہم کار من ضائع
عجب تر این کہ بر من منت بسیار ہم دارد

یہی سبب ہے کہ ان مسلمان طلبہ کی نسبت جو اسلامی علوم و فنون کی تکمیل اور تحقیق کیلئے یورپ جاتے ہیں، یہ
فیصلہ مشکل ہے کہ وہ کیا بن کر آئین گے، یورپ کے استادون کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ان کے شاگرد مذہب سے
خالی ہو کر اسلامی علوم و فنون کی تحقیق ان کی عینک لگا کر کرین، لیکن جب کسی مسئلہ سے مذہبی ہمدردی کا پہلو متعلق

ہو جاتا ہے، تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ اپنے خیال کے ہر جذبہ سے پاک ہو گیا، انسان جبتک انسان ہے وہ جذبات کی سخت زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے، اگر وہ مذہبی جذبہ سے آزاد ہو گا تو دوسرے جذبات کا اسیر ہو جائیگا، اور یہی مرحلہ ہر مستشرق کو بلکہ ہر محقق کو ہر قدم پر پیش آتا ہے، اسلئے مسائل کی تحقیق میں قومی اور مذہبی جذبہ سے عریانی کی کوشش کے بجائے صحیح استدلال، صحیح استنباط اور صحیح نقطۂ نظر کی تلاش کا خوگر ہونا چاہیے،

عام طور سے ہمارے نوجوانوں کا رجحان یورپ کے فیضکدہ سے کسی کاغذی سند اور کسی حرف تہجی کے لقب کے حصول کی طرف ہے، حالانکہ اسلامی فضل و کمال کا حصول اس راہ سے قطعاً غلط ہے، اتنا صحیح ہے کہ یورپ کے کتب خانوں میں کتابوں کے جو نادر مجموعے ہیں، ان کا ملنا آسان ہے، اور یورپ کے محققوں نے زیر بحث مسئلہ کی نسبت حق یا باطل جو کچھ لکھا ہے، وہ سارا مواد سامنے رہتا ہے، اور وہاں کے مشرقی علوم کے استادوں کے مطالعے اور مشورے سے تحقیق کی راہ معلوم ہوتی ہے، اور طریقۂ کار کی مشق ہوتی ہے، لیکن ضرورت ہے کہ ہماری ذہنی غلامی ہم کو غلط راستہ پر نہ لیجائے، اور اس سیلاب میں ہمارے مذہبی عقائد اور قومی مقاصد کو صدمہ نہ پہنچے،

یہ بھی اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو نوجوان کامیابی کے بعد یورپ سے لوٹتے ہیں، مشرقی درسگاہوں کے قانع العلم علماء کی طرح یہ بھی یورپ سے لوٹ کر اور کوئی اچھی جگہ پا لینے کے بعد جو اصل اس دوڑ دھوپ کا اصلی مقصد ہوتا ہے، وہ بھی یہاں کی آب و ہوا میں ٹھٹھر کر رہ جاتے ہیں، اور اپنے علمی مشاغل کو جاری نہیں رکھتے، ظاہر ہے کہ ہر ایک کا حال ایسا نہیں، مستثنیات بھی ہیں، مگر اکثریت کا یہی حال ہے،

خدا کا شکر ہے کہ مشرق میں بھی ایسے علماء پیدا ہو گئے ہیں، جو یورپ کے طریق پر اسلامی علوم و فنون کے مختلف موضوعات پر عمدہ تحقیقات میں مصروف ہو رہے ہیں، مصر میں احمد ذکی پاشا، تیمور پاشا، شام میں کرد علی استاذ مغربی، اور امیر شکیب ارسلان وغیرہ کے نام نامی اعزاز کے مستحق ہیں، دمشق میں المجمع العلمی العربی، اور مصر میں المجمع العربی اللغوی، کی کوششیں علم و فن کی تحقیقات میں ترقی کا باعث ہیں،

ہندوستان بھی اس راہ میں اپنا حق ادا کرنے لگا ہے، مولانا شبلی مرحوم اس ملک میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے یورپ کے طرز پر جدید ضروریات اور مباحث کو پیش نظر رکھکر اپنی تحقیقات ملک میں پیش کیں، اور مشرق و مغرب نے انکی نکتہ سنجی کی داد دی، سنہ ۱۹۰۰ء سے جب انگریزی گورنمنٹ نے مشرقی علوم و فنون کی تکمیل کی غرض سے یورپ جانے کے وظیفے مقرر کئے، نئے تعلیم یافتہ اشخاص میں بھی مشرقی علوم کی تحصیل و تکمیل کا شوق پیدا ہوا، اور مشرقی علوم کے کئی بہتر فضلاء ہمارے ملک میں پیدا ہوئے، جن میں سے ڈاکٹر عظیم الدین پٹنہ، ڈاکٹر عبد الستار صدیقی الہ آباد، پرنسپل محمد شفیع اور محمد اقبال لاہور، ڈاکٹر حمید اللہ حیدرآباد ذکر کے قابل ہیں،

اس سے زیادہ فخر کے قابل یہ ہے کہ کئی اصحاب نے صرف اپنی کوشش اور محنت سے ذوق اور شوق پیدا کیا، اور ان کا درجہ یورپ کے اچھے اچھے لوگوں کے مقابلے میں ہے، پروفیسر حافظ محمود شیرانی لاہور، مولانا محمود حسن خانصاحب ٹونک، پروفیسر میمن عبد العزیز علیگڈھ، مولوی سید ہاشم صاحب ندوی حیدرآباد، مولوی ابو الوفا صاحب قندھاری، حیدرآباد کی کوششیں ہمارے شکریہ کی مستحق ہیں،

پروفیسر حافظ محمود شیرانی کی ناقدانہ نظر مسلّم ہو چکی ہے، اور یہ بے تامل کہا جا سکتا ہے، کہ قدیم کتابوں سکوں اور خطوط کی دریافت میں ان کا پایہ بہت اونچا ہے، مولانا محمود حسن خانصاحب اسلاف کی نادر تصانیف اور مصنفین کی احوال و سنین میں بڑی نگاہ رکھتے ہیں، ان کی ضخیم تالیف معجم المصنفین جب چھپکر منظر عام پر آجائیگی تو اسلامی ہندوستان کا بڑا کارنامہ سمجھی جائیگی، پروفیسر میمن عبد العزیز صاحب کی ادبی و لغوی و اخباری تحقیقات نوادر کتب اور اسماء الرّجال کی یادداشت میں سلف کا نمونہ ہے، مولوی سید ہاشم صاحب ندوی ناظر دائرۃ المعارف حیدرآباد نے ہندوستان کے کتب خانوں کو چھان ڈالا ہے، اور نوادر کتب کی تحقیقات کی ہے، اور مسلمانوں کے فن تعلیم پر ایک عمدہ کتاب تذکرۃ السامع والمتکلم لابن سماعہ کو تصحیح و تحشیہ کے ساتھ شائع کیا ہے، مولوی ابو الوفا صاحب قندھاری معتمد معارف نعمانیہ حیدرآباد نے قدیم ائمۂ فقہ کی تصانیف تلاش کر کرکے ہندوستان مصر اور قسطنطنیہ کے کتب خانوں سے عجیب عجیب چیزیں منگوائی ہیں، اور ابھی اسی مہینہ میں قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الآثار

کو تصحیح و تحشیہ و مراجعت کے بعد مصر سے شائع کیا ہے، ابھی اسی سال امالی ابو علی قالی کی شرح للوزیر ابی عبید البکری اندلسی کا جو نسخہ پروفیسر میمن عبد العزیز کی تصحیح اور تحشیہ سے چھپا ہے، اور اس پر ان کے قلم سے جو باقی ذیل اور شرح تصنیف پائی ہے، وہ ہر لحاظ سے مدح اور توصیف کی مستحق ہے، اسی طرح گذشتہ سال پرنسپل محمد شفیع لاہوری نے تاریخ حکمائے اسلام میں بیہقی کی تتمہ صوان الحکمۃ جس وسیع مطالعہ و تحقیق اور مراجعت کے بعد شائع کی ہے، وہ آیندہ کے لئے فال نیک ہے، اسی طرح مولوی بدر الدین صاحب علوی علیگڈھ نے بشار کا جو دیوان تصحیح اور تحشیہ کیساتھ تیار کیا ہے، اور مصر کی مجلس نشر و تالیف نے شائع کیا ہے، وہ علماء کے لئے نمونہ ہے، دائرۃ المعارف حیدر آباد اس سلسلہ میں جو کچھ کر رہا ہے، وہ سب کے سامنے ہے، دار المصنفین اعظم گڈھ اس راہ میں جو کچھ کر رہا ہے، اور اپنی بائیس برس کی زندگی میں اسلامی علوم و فنون کے مختلف عنوانوں پر پچاس سے زیادہ جو کتابیں شائع کی ہیں، ان کی نسبت میں کچھ کہہ کر بوڑھے سعدی کا یہ طعنہ سننا نہیں چاہتا کہ "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید"

ادھر اس بڑی لڑائی کے بعد سے مصر اور شام اور ایران میں بھی قدماء کی نئی کتابوں کی اشاعت ترقی پذیر ہو، ایران سے ابھی محاسن اصفہان اور تتمہ یتیمۃ الدہر ثعالبی وغیرہ عمدہ کتابیں شائع ہو رہی ہیں، مصر کی ہر ڈاک سے کسی نہ کسی عمدہ کتاب کی اشاعت کی خبر آتی رہتی ہے، اور اس کثرت سے یہ سرمایہ بڑھ رہا ہے، کہ معلوم ہوتا ہے، کہ زمین نے اپنا سارا خزانہ اگل دینے کا تہیہ کر لیا ہے،

لیکن افسوس اس کا ہے کہ جس کثرت سے سفینے معمور ہو رہے ہیں، سینے خالی ہو رہے ہیں، آنکھوں کا نظارہ بڑھ رہا ہے، لیکن دل و دماغ کا تماشہ کم ہو رہا ہے، عربی درسوں کی تعلیم یافتوں کی ہمتیں اتنی قاصر ہیں کہ درسیات سے آگے ان کی نظر نہیں اٹھتی، اور مغربی تعلیم یافتہ مسلمان نوجوانوں میں علم الکتب (ببلوگرفی) کی سطح سے آگے بڑھ کر معانی و مطالب کے منتہی تک رسائی کا شوق بہت کم ہے، حالانکہ زمانہ حال کا اقتضا یہ ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کے متروکات میں گرانقدر اضافہ نہ کر سکیں تو کم از کم ان کو جوں کا توں باقی تو رکھیں، تنازع البقاء اور بقائے اصلح کے اصول سے دنیا کی کوئی چیز بری نہیں، ہر وہ چیز جسکو زمانہ کے مذاق اور پسند کے مطابق بنا کر دکھایا نہ جائے گا، لوگوں کی نگاہوں سے گر جائے گی، اور پھر عجب نہیں

کہ وہ برباد ہو جائے،

اسلامی علوم و فنون کا جو سرمایہ اب بھی ہمارے سامنے ہے، وہ اتنا کچھ ہے کہ اگر ہم انکو سلیقہ سے ترتیب دیں، اور ان کو مناسب شکل و صورت میں اہل زمانہ کے سامنے پیش کریں، تو وہ انکی مناسب قدر و منزلت کیلئے تیار ہیں، ابتک مسلمانوں کی سائنس، فلسفہ، کیمیا، مناظرہ، ریاضیات، اور فلکیات کے متعلق بہت کم کام ہوا ہے، ہمارے عربی مدرسوں میں روز بروز انکی تعلیم کم ہوتی جاتی ہے اور نئے تعلیم یافتہ زیادہ تر ادب اور تاریخ کے موضوعات میں پھنس کر رہ جاتے ہیں، اب ضرورت ہے کہ ہمارے نوجوان ان علوم کی تحقیقات میں مصروف ہوں، اور لوگوں کو بتائیں کہ ہمارے بزرگوں کا ان علوم میں کیا پایہ تھا،

بعض نئے علوم جیسے اقتصادیات یا معاشیات یا علم السیاسۃ پر ہمارے ہاں گو مستقل فن کی حیثیت سے کتابیں نہیں لیکن اگر کوئی ذرا محنت کرے، تو مختلف فنون سے ایسے مواد پا سکتا ہے، جنکو ترتیب دیدیا جائے، تو ان علوم کا ہیولیٰ بھی تیار ہو جائے، چنانچہ ہند و نوجوانوں اور فاضلوں نے ادھر توجہ کی تو ایسی چیزیں بنا کر پیش کی ہیں، جنسے ان کے علوم کی قدر و قیمت بڑھی، ان کے قومی وقار میں اضافہ ہوا، اور زندہ قوموں نے ان کی اولیت کو تسلیم کیا، اس قسم کی کوششیں چونکہ غیروں نے کم کی ہیں، اور ہم نے بالکل نہیں کی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے، کہ علوم کی تاریخ میں مسلمانوں کی محنتوں کا ذکر گویا بالکل نہیں آتا، یا بہت کم آتا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ قدیم یونانی و ہندی علوم و موجودہ مغربی تحقیقات کے درمیان مسلمانوں کا ہزار سالہ عہد ہر علم کی ترقی کی تاریخ میں اصول ارتقا کے بموجب درمیانی زینہ ہے، اس درمیانی زینہ کو چھوڑ دینے سے قدیم و جدید کے درمیان ایک خلا محسوس ہوتا ہے، جسکو برابر کرنا اور بھرنا خود ہمارا کام ہے،

مسلمانوں کی سائنٹفک تحقیقات اور اسلامی سائنس طبیعیات پر ابھی کوئی کام نہیں ہوا ہے، درسیات میں طبیعیات کا جو کچھ حصہ شامل ہے، وہ یونانیوں کی صدائے بازگشت اور افسانہ کے سوا کچھ نہیں ہے، حالانکہ اگر ابو یعقوب کندی، نظام، ابن ہیثم، خازنی، ابن سینا، خیام، ابوریحان بیرونی، ذکریا رازی، ابو البرکات بغدادی اور

امام رازی وغیرہ کی تصانیف اور اقوال وآراء کے اقتباسات جمع کئے جائیں، تو مسلمانوں کا اپنا پورا علم طبیعات تیار ہوسکتا ہے، اگر کوئی شرح مواقف ہی سے خاص مسلمانوں کے طبعی مسائل جمع کرے، تو ایک رسالہ ہوجائے،

فلسفہ میں مسلمانوں کا پایہ صرف اتنا ہی سمجھا جاتا ہے، کہ وہ ارسطو کی گاڑی کے قلی تھے، اس کا سبب یہ ہے، کہ متاخرین کی کتابوں میں اسکندریہ کے یونانی اسکول کی آواز بازگشت کے سوا اور کچھ نہیں، دوسری اور تیسری صدی میں مسلمان حکماء نے جو کچھ کیا وہ علم کلام کا حصہ ہوکر رہ گیا، حالانکہ حقیقت میں اسلامی فلسفہ کا اصلی دور یہی تھا، اگر اس زمانہ کی تصانیف اور آراء کو مذہبیات سے الگ کرکے خالص فلسفہ کی نظر سے دیکھا جائے، اور پھر فارابی، ابن سینا، مصنفین اخوان الصفاء، امام غزالی، شیخ الاشراق سہروردی مقتول، عبد الکریم شہرستانی، فخر الدین رازی، عین القضاۃ، ابو المعالی، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، ابن تیمیہ حرانی، ابن خلدون، مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی، شاہ ولی اللہ دہلوی اور مولینا اسمٰعیل شہید کی تصانیف کا جائزہ لیا جائے، تو اسلامی فلسفہ کے متعدد اسکولوں کے نظریے قائم ہوجائیں،

یعقوب کندی کے بعض طبیعاتی رسالے ہندوستان میں موجود ہیں، ابن تیمیہ کی عجیب وغریب کتاب الرد علی المنطقیین جس کو حقیقت میں پرانی منطق پر بہترین تبصرہ اور نئی منطق کی بنیاد کہنا چاہئے اسکا اصلی نسخہ ہندوستان ہی کی ملک ہے، ابوریحان بیرونی کی قانون مسعودی جو مسلمانوں کے جغرافیہ فلکی کی معیاری کتاب ہے، ہماری سالہا سال کوششوں کے باوجود حلیۂ طبع سے محروم ہے، خازنی کی کتاب میزان الحکمۃ کا سب سے پرانا اور بہترین نسخہ جامع مسجد بمبئی میں کیڑوں کی نذر ہو رہا ہے، اور اس کا ایک چھوٹا سا حصہ امریکہ کی مشرقی مجلس کے رسالہ میں انھوں نے چھاپا تھا، مگر مکمل کتاب ابھی تک نگاہوں سے اوجھل ہے، یہ کتاب اگر کسی فاضلانہ مقدمہ کیساتھ چھپ جائے، تو مسلمانوں کی طبیعات کی تاریخ میں انقلاب ہوجائے، مسلمانوں کے فن جنگ پر ایک عمدہ کتاب کتبخانۂ آصفیہ میں ہماری توجہ کی منتظر ہے،

اس سلسلہ میں یہ خبر مسلمان اہل علم کے حلقہ میں خوشی کے ساتھ سُنی جائیگی، کہ دائرۃ المعارف حیدرآباد امام رازی کی مباحث مشرقیہ کے بعد ابو البرکات بغدادی کی الکتاب المعتبر چھپوا رہا ہے، جسکی نسبت اہل نظر کی یہ رائے رہی ہے کہ وہ یونانی فلسفہ پر بہترین تنقید ہے،

ہاں ایک اہم کام ہمارے ذمہ باقی ہے، کہ حکمائے اسلام کے سوانح اور آراء پر ایک بسوط ومحققانہ کتاب لکھی جائے، اسوقت تک ہمارے پاس قفطی کی مختصر کتاب کے سوا اس موضوع پر کچھ نہ تھا، پرنسپل محمد شفیع ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے پوری کوشش اور محنت سے ظہیر الدین بیہقی کی تتمہ اور اس کے فارسی ترجمہ کو شائع کردیا، اب اتمام اور شہرزوری کی تاریخ الحکماء اور باقی ہیں، جنہیں کچھ کچھ تتمہ پر اضافے ہیں، لیکن ان کتابوں میں بھی شروع سے لیکر اخیر تک کے حکماء کا استقصاء نہیں، پھر وقائع وسنین عموماً مذکور نہیں، تصانیف کی پوری فہرست نہیں، اور حکیمانہ اقوال کے سوا ان کے فلسفیانہ خیالات اور نظریوں سے کچھ بحث نہیں، ضرورت اس موضوع پر ایک جامع اور مکمل تصنیف کی ہے،

یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ خیر ان عقلی علوم کی طرف اگر توجہ نہیں تو مذہبی علوم کی طرف تو ہماری توجہ ہے، یہ خیال بھی سراسر غریب ہے، صحاح ستہ اور درسیات کے سوا یہاں بھی علمی ذوق وشوق کا پارہ صفر کے درجہ پر ہے، درسیات سے ہٹ کر کوئی چیز نگاہوں کے سامنے نہیں ہے، قوم کو دار العلوم ندوۃ العلماء کا شکرگذار ہونا چاہئے، کہ اس نے نصاب تعلیم میں تغیر وتبدل کرکے بہت سی عمدہ کتابوں سے ہماری عربی درسوں کو روشناس کیا ہے، اب دلائل الاعجاز، کتاب الصناعتین، کتاب البیان، عمدہ، نقد الشعر، اعجاز القرآن باقلانی کے نام آنے لگے ہیں،

کتب احادیث کی خدمت کے لئے تمام دنیائے اسلام کو ہندوستان کا مشکور ہونا چاہئے، صحیح بخاری، جامع ترمذی، ابوداؤد، صحیح مسلم وغیرہ کتابیں سب سے پہلے ہندوستان میں چھپیں، اخلاف کے سننے کے قابل یہ بات ہے، کہ مولینا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری نے صحیح بخاری کی تصحیح وتحشیہ اور طبع میں اپنی عمر کے بیس برس صرف کئے، تب یہ لعل بے بہا مسلمانوں کے دامن میں آیا، دائرۃ المعارف حیدرآباد نے احادیث اور اسماء الرجال کے نادر ذخیرہ کو چھپوا کر وقف عام کیا، نواب صدیق حسن مرحوم نے کتب احادیث اور خصوصاً فتح الباری کو شائع کرکے فن حدیث کی بڑی خدمت کی، مگر ابھی تک مصنفات اور مسانید کا بڑا حصہ اہل علم کی نگاہوں سے چھپا ہے، مصنف عبد الرزاق وابن

ابی شیبہ جو آثار و اخبار کا بڑا ذخیرہ ہیں، یکجا نہیں، ان کی تکمیل اور اشاعت بڑی اسلامی خدمت ہے، اسماء الرجال میں امام بخاری کی تاریخ صغیر کے سوا قدماء کی کوئی اور چیز ابھی نہیں آئی، جو کچھ ہے وہ متاخرین کا سرمایہ ہے، دائرۃ المعارف سنا ہے کہ تاریخ کبیر کی اشاعت کی فکر میں ہے، قسطنطنیہ میں امام احمد بن حنبل کی کتاب اسماء الرجال کا اور کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں تاریخ و علل یحیی بن معین کا پتہ چلا ہے، جو ظاہر ہے کہ اس سلسلۂ زریں کی کتنی قیمتی کڑیاں ہیں، لاہور میں کسی نے خوشخبری سنائی تھی، کہ وہاں امام مسلم کی کتاب الافراد والوحدان چھاپنے کا تہیہ ہو رہا ہے، ابن حبان کی تصانیف بھی موجود ہیں، مگر ابھی تک حلیۂ طبع سے آراستہ نہیں ہوئی ہیں،

ہمارے علم و مذہب کا سب سے بڑا سرمایہ قرآن پاک ہے، مگر افسوس ہے کہ علوم القرآن کی طرف سب سے کم توجہ ہوئی ہے، اعجاز القرآن پر باقلانی کی متکلمانہ کتاب کے سوا ابتک کوئی چیز سامنے نہ تھی، ہمارے دوست ڈاکٹر عبد الحکیم صاحب شکریہ کے مستحق ہیں، کہ وہ یورپ کے سفر سے اس موضوع پر متعدد اچھے رسالے ساتھ لائے، اور رمانی کا رسالہ چھاپکر شائع بھی کیا ہے، میری رائے میں یہ اسوقت اس موضوع پر بہترین کتاب ہے، اور اس قابل ہے کہ ہمارے عربی مدرسوں کے نصاب تعلیم میں داخل ہو، اعراب القرآن پر عکبری کی تصنیف گو اچھی ہے، مگر رامپور میں اس فن پر اس سے ایک قدیم رسالہ موجود ہے، جو ایک صاحب فن کی تصنیف ہے، ضرورت ہے کہ کتب تفاسیر کو چھوڑ کر علوم القرآن کی مختلف موضوعات کی کتابوں کی طرف توجہ کیجائے، اور انکو تلف ہونے سے بچایا جائے،

اب آجکل محنت کے بچانے کے لئے بڑی بڑی کتابوں کے انڈکس کی ضرورت عیاں ہے، احادیث میں کتب الاطراف کو احادیث کا انڈکس ہی کہنا چاہئے، مگر اس قسم کی ایک کتاب بھی، ہمارے ہاتھ میں نہیں، اسلئے ایک ایک حدیث کی تلاش میں ہر طالب تحقیق کو گھنٹوں بلکہ کئی کئی دن برباد کرنے پڑتے ہیں، مجمع الفوائد یا جامع سیوطی یا کنز العمال سے یہ مشکل حل نہیں ہوتی، جناب مولینا عبد العزیز صاحب خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ نے اس راہ میں قدم اٹھایا ہے، اور صحیح بخاری کی اطراف لکھکر کتنے علماء کی زندگیوں میں اضافہ کردیا ہے، یورپ میں اس سلسلہ میں جو کام ہو رہا ہے، اور مصر کے چند نوجوانوں نے ذرا سے تغیر اور اصلاح سے اس میں جو ترقی کی ہے، وہ تکمیل ایک

حد تک اس ضرورت کو پورا کردیگی، مگر پھر بھی احادیث کی ایک ایسی فہرست جس میں ہر حدیث کا ہر کتاب میں اور کتاب کے ہر باب میں پتہ دے مطلوب ہے،

ہماری کتب تفسیر میں ابن جریر طبری کا جو پایہ ہے، وہ ظاہر ہے، مگر وہ جسقدر طویل اور وسیع ہے اور جس طرح مباحث گوناگوں پر مشتمل ہے، وہ سب جانتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اہل علم اس سے پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتے، ہمارے دوست ڈاکٹر زبیر صاحب صدیقی کلکتہ کی تجویز ہے کہ چند اہل علم ملکر اس کتاب کی تیسوں جلدوں کا ایسا انڈکس تیار کردیں جس سے اس تفسیر کے علوم و مباحث سے ہر شخص بآسانی فائدہ اٹھا سکے، اسی طرح ہماری کتب احادیث میں مسند ابن حنبل کی حیثیت احادیث کی انسائیکلوپیڈیا کی ہے، اسکی ترتیب و تبویب اور مختلف ضرورتوں کے لحاظ سے اسکے لئے مختلف فہرستوں کی ضرورت ہے، لاہور کے ایک فاضل عالم نے اس کے رجال مسانید کی فہرست شائع فرمائی ہے، جس سے بڑا فائدہ ہوا ہے، اور بہتوں کا وقت تلاش و محنت سے بچا ہے

اسی طرح کرنے کے بہت سے کام ہیں، جنکو آپ میں سے بہت سے اصحاب مجھ سے بہتر جانتے ہیں، میں نے جو کچھ کہا ہے، وہ صرف تذکیر کے لئے کہا ہے، اب تک ان علوم کے واقفکار صرف ہمارے پرانے علمائے کرام ہیں، جنھوں نے ہر طرح کی بے سرو سامانی اور زمانہ کی ناقدری کے باوجود ان جواہرات کو اپنے سینوں سے لگائے رکھا ہے، اور سلف کے ترکہ کو حفاظت کیساتھ خلف تک پہنچایا ہے، لیکن وہ زمانہ حال کے طور و طریق اور ضرورتوں سے واقف نہیں، ضرورت ہے کہ نئے اور پرانے طریق کے اہل علم اور علماء آپس میں تعاون کریں، اگر وہ ایک دوسرے کیساتھ ملکر کام کرنے کے لئے تیار ہوں تو اسلامی علوم و فنون کی ترقی و اشاعت کا نیا دور پیدا ہو، میں آج کے اس جلسہ کو جس میں اسلامی علوم و فنون کے نئے اور پرانے خدمتگذار موجود ہیں، اس دور کے آغاز کی تمہید اور تقریب سمجھتا ہوں،

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین،

معاشیات پر ابن خلدون کے خیالات

از

جناب سید مبارز الدین صاحب رفعت حیدرآباد دکن،

مسلمانوں کے زمانۂ ترقی میں گو معاشیات کا علم مستقل طور پر پیدا نہیں ہوا تھا لیکن مختلف مسلمان مصنفوں کی تصنیفات میں اس کے جستہ جستہ مواد ملتے ہیں، امام غزالی کی کیمیاے سعادت، قاضی ابوالحسن ماوردی کی الاحکام السلطانیہ ابن خلدون کے مقدمہ، شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ اور فقہ کی کتاب البیوع میں اس فن کے متفرق معلومات ہیں، ہمکو خوشی ہو کہ ایک صاحب فکر نے ادھر توجہ کی ہے اور ابن خلدون کے مقدمہ کے ان دانوں کو چنکر ایک انبار تیار کرنیکی ابتدائی محنت کی ہے، مقدمہ کے اس پہلو پر سب سے پہلے ایک مسلمان مصنف لطفی جمعہ نے اپنی تاریخ فلسفہ اسلام میں چند سطریں لکھی ہیں، اب ایک ہندی صاحب قلم نے چند سطروں کو بڑھا کر چند صفحے کر دیے ہیں، لیکن ہمارا خیال ہے کہ اگر زیادہ چھان بین اور تلاش سے کام لیا جائے، تو مسلمانوں کے علم معاشیات پر ایک مستقل کتاب لکھی جا سکتی ہو،

"س"

تمہید عام طور پر مشرقی اور خاص طور پر اسلامی مفکر صرف تخئیل کی بنا پر نظریہ سازی نہیں کرتے بلکہ اپنے عملی تجربوں سے فائدہ اٹھا کر اصول کا استخراج کرتے ہیں، چنانچہ ابن خلدون بھی صرف خیالی نظریہ ساز نہیں، بلکہ اوس نے کافی مدت تک زندگی کا عملی تجربہ کیا تھا، اور اس کے بہت سے نشیب و فراز دیکھے تھے، مختلف اوقات میں اس نے کتابت، معتمدی سفارت، قضائت، اور معلمی کے فرائض انجام دیے، قریبًا تمام اسلامی مشرق اور پورے اسلامی افریقہ اور اندلس کا سفر

کیا تھا، اور آخر میں جب کہ اس کے اہل وعیال ایک طوفان میں سمندر کے نذر ہو گئے، تو اس نے اپنی ساری عمر کی علمی کمائی صفحۂ قرطاس پر پھیلا دی، جو اب ہمارے سامنے مشہور زمانہ مقدمہ کی صورت میں موجود ہے،

ابن خلدون نے انسان کے تمام اقوال و افعال، میلانات و رجحانات کو چھوڑ کر اس کے صرف اجتماعی رُخ کے ایک مظہر یعنی سیاسیات و تمدن کو اپنا موضوع فکر بنایا، مسلمان اجتماعی مفکروں میں غالبًا ابن خلدون پہلا شخص ہے جس نے باقاعدہ طور پر سیاسیات و تمدن کے عروج و زوال کے اسباب و علل کا کھوج لگایا، اس خصوص میں اسکا جو پایہ ہو، اور اس کا جو اثر یورپ کے جدید تحقیقاتی دبستان پر پڑا، اسکے ذکر کا یہ محل نہیں،

سیاسیات و تمدن کے ارتقا و انحطاط کا ذکر کرتے ہوئے ابن خلدون کو جن جن علوم و فنون سے دوچار ہونا پڑا، ان پر بھی اس نے نہایت سیر حاصل بحث کی ہے، اور ان پر علی قدر مراتب اپنے تحقیقات کا نچوڑ پیش کیا ہے، عنوان سے ظاہر ہے کہ ہم اسوقت صرف معاشیات پر اس کے خیالات پیش کرنا چاہتے ہیں، جیسا کہ ابھی اوپر عرض کیا جا چکا ہے ابن خلدون نے معاشیات کو اپنا مستقل موضوع بحث نہیں بنایا، بلکہ اوس نے قوموں کے عروج و زوال اور تمدن کے ارتقا، و انحطاط کے اسباب کی تحقیقات کی ہے، اگر ہم اس توقع سے مقدمہ کا مطالعہ کریں، کہ اس میں موجودہ معاشیات کی مکمل بحث ملے گی، تو ہمیں مایوس ہونا پڑے گا، اس کے علاوہ ہم کو مقدمہ کا مطالعہ کرتے ہوئے اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہیے، کہ ہم کسی موجودہ مصنف کے (جس کو تحقیقات کی قریبًا تمام آسانیاں مہیا ہوتی ہیں،) نتائج فکر کا مطالعہ نہیں کر رہے ہیں، بلکہ ایک ایسے شخص کے خیالات سے مستفید ہو رہے ہیں جس کے سامنے اپنے پیش رؤں کے کوئی خیالات موجود نہیں تھے، ابن خلدون کے خیالات کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ کرنے کے لئے ہم کو آج سے کم از کم پانچسو اکتیس سال پیچھے ہٹنا چاہئے، ابن خلدون نے اپنے لاثانی مقدمہ میں دعوی کیا ہے، کہ وہ اس فن کا موجد ہے، اس لئے وہ اس کی تکمیل نہ کر سکا، حقیقۃً یہ دعوی بالکل حق بجانب ہو،

ابن خلدون نے اپنا طریقۂ تحقیق معروضی قرار دیا ہے، تاہم وہ اپنے پیش رؤں کے اثرات سے بالکل آزاد نہ رہ سکا، اس لئے بعض مرتبہ وہ معروضی طریقہ کو چھوڑ کر کبھی معیاری بحث میں اور کبھی موضوعی میں آ پڑتا ہو لیکن ایسا کم ہے

(۲)

معاشیات کا مفہوم: انسان یکسر محتاج محض ہو، اسلئے اسکی ساری جد وجہد اپنے احتیاجات کے رفع کرنے میں صرف ہوتی ہے، جن احتیاجات کا تعلق اس مادی دنیا سے ہو، اسکے رفع کرنے کی کوشش ہی کے بیان کو ہم معاشیات کہہ سکتے ہیں، مثلاً غذا اور مکان کی دو ایسی بنیادی احتیاجیں ہیں، جنکا پورا کرنا صرف بقاے حیات ہی کے لئے نہیں، بلکہ مقصد حیات (اگر اس سے علیحدہ کوئی ہو) کے لئے بھی اٹل اور لابدی ذریعہ ہیں، جنکو رفع کئے بغیر کوئی دوسرا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، معاشیات کی مختصر تشریح اس طرح کیجا سکتی ہے کہ وہ علم جو اجتماعِ انسانی کی معاشی جد وجہد سے بحث کرتا ہے، معاشیات ہے یعنی اس میں اجتماع انسانی کے ان تمام اعمال وافعال سے بحث کیجاتی ہے، جو حصولِ دولت اور استعمالِ دولت سے متعلق ہیں، معاشیات کی مذکورۂ بالا توضیح سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس میں دولت کو کسقدر اہمیت حاصل ہے، اگرچہ دولت معاشیات کا موضوع ہرگز نہیں، تاہم ان دونوں میں بہت گہرا اور قریبی تعلق ہے، معاشیات کے نقطۂ نظر سے دولت میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں، جن میں افادہ اور استبدال کی صفتیں موجود ہیں، یعنی وہ انسان کی کسی نہ کسی احتیاج کو پورا کرتی ہوں، اور جن کا تبادلہ بھی ممکن ہو، مثلاً حُسن بلاشبہہ ایک بے بہا دولت ہے لیکن معاشی دولت اسلئے نہیں کہ اس میں استبدال کی صفت مفقود ہے،

صدیوں کے مسلسل تجربوں سے ہم کو اس بات کا پختہ یقین ہو گیا ہے، کہ کائنات کا ایک ذرہ بھی بے کار نہیں لیکن جب تک ہم کو اس کے افادے کا علم نہیں ہوتا، وہ ہمارے لئے بیکار ہی ہے، اسلئے کسی شے سے فائدہ اٹھانے کیلئے پہلے اس کے افادے کا علم ضروری ہے، لیکن صرف افادے کے علم سے کیا حاصل، اگر ہم کو اس شے پر دسترس نہ ہو، لہٰذا ثابت ہوا کہ افادے کیلئے علم افادہ اور دسترس لازمی ہے، اسی سلسلہ میں صفتِ استبدال بھی قابلِ غور ہے، کسی شے میں صرف افادہ دریافت ہونے سے کام نہیں چلتا، جبتک کہ اس میں تبادلہ کی قابلیت نہ ہو، تبادلہ کی قابلیت کے لحاظ سے تمام اشیا، کو تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، پہلی وہ جن کا تبادلہ ناممکن ہے، جیسے روشنی، ہوا، دوسری وہ جن کا تبادلہ تو ممکن ہو، لیکن ایسا کرنا اکثر حالتوں میں بے فائدہ ہوتا ہے، جیسے جنگل میں لکڑیاں یا لب دریا پانی

تیسری قسم ان چیزوں کی ہے، جن کا تبادلہ نہ صرف ممکن اور مفید بلکہ ضروری اور ناگزیر بھی، جیسے اجناس، اوزار، اور دوسری ضروریاتِ زندگی، تیسری قسم کی اشیا میں جو تبادلہ کی قابلیت ہو، اسکو اصطلاحِ معاشیات میں استبدال کہتے ہیں، ظاہر ہے، کہ مذکورۂ بالا تقسیم منحصر ہے افادہ، علم افادہ، دسترس اور تعیین مقدار پر، افادہ اور استبدال کا مفہوم واضح ہو جانے کے بعد اب ہم افادے کی قسموں کا ذکر کریں گے،

کسی شے میں جو ذاتی قدر ہوتی ہے، اسکو افادۂ ذاتی اور تبدیلِ شکل کے بعد جو جدید افادہ پیدا ہوتا ہے، اس کو افادہ شکلی، اور جس وقت وہ شے کار آمد ہوتی ہے، اس کو افادہ وقتی، اور جہاں اس میں افادہ پیدا ہوتا ہے، اس کو افادۂ مقامی کہتے ہیں،

مذکورۂ بالا امور جو مختصراً مقدمۂ معاشیات کا کام دیتے ہیں، ان کو ابن خلدون اس طرح بیان کرتا ہے،

"جس دن سے آدمی پیدا ہوتا ہے، مرنے کے دن تک کھانے پینے کا محتاج رہتا ہے، دنیا میں جو کچھ ہے وہ اللہ نے سب انسانوں ہی کے لئے پیدا کیا ہے، اسی لئے انسان تمام چیزوں میں فائدہ تلاش کرتا ہے اور ان تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے، جو چیزیں اسکو فائدہ مند معلوم ہوتی ہیں انکو حاصل کرتا ہے، ظاہر ہے کہ جو شخص ایک چیز حاصل کرتا ہے دوسرا اسکو اچھی طرح حاصل نہیں کر سکتا، اور جب تک اس کا بدلہ نہ دے اسکو اپنی مطلوبہ شے حاصل نہیں ہو سکتی، اس لئے انسان کوئی نہ کوئی کام کرتا ہے، تاکہ جو کچھ اس سے حاصل کرے، اس کو یا اس کے بدل کو یا دونوں کو اپنی ضروریات میں صرف کرے، بعض چیزیں ایسی بھی ہیں، جو آدمی کو بلا معاوضہ مل جاتی ہیں، جیسے بارش، ہوا، لیکن پھر بھی اسکو کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے، تاکہ اپنی دوسری ضرورتیں پوری کرنے کے لئے اپنے کام کو بطور مبادلہ استعمال کر سکے،[۱] افادے کے بارے میں بسلسلۂ تجارت لکھتا ہے،"

[۱] مقدمۂ ابن خلدون ص ۴۱۹ طبع مصر ۱۳۲۹ھ

"فائدہ حاصل کرنے کی دو ہی صورتیں ہیں، اوّل یہ کہ کوئی چیز جمع کرکے ضروریات کے وقت اس کو

فروخت کیا جائے، یا کسی شے کو ایسے مقام پر پہونچا دیا جائے جہاں اسکی قدر وقیمت ہو"[1]

موجودہ اصطلاح میں ابن خلدون نے افادے کی دو قسموں یعنی افادۂ وقتی اور افادۂ مقامی کا ذکر کیا ہے، چونکہ افادے کی یہ دو قسمیں انتہائی درجے کی ہیں، اسلئے افادۂ ذاتی، اور افادۂ شکلی کو گویا اس نے پہلے ہی تسلیم کرلیا ہے، بلکہ افادے کی دوسری قسم بیان کرتے ہوئے اس نے افادے کی ایک شرط لازمی تعین مقدار کو بھی لے لیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ معاشیات میں دولت یعنی ایسی اشیاء جن میں افادہ و استبدال ہو، مرکز و اساس کی حیثیت رکھتی ہیں، ان کو ابن خلدون نے جس وضاحت سے بیان کیا ہے، وہ اقتباسات بالا سے ظاہر ہے،

(۳)

معاشیات کے مباحث کی تقسیم بیانات بالا میں ہم نے معاشیات میں دولت کو جو اہمیت حاصل ہے، اسکو واضح کردیا ہے، اس لئے سب سے پہلے ہم پیدائش دولت ہی کا ذکر کریں گے، دولت کے پیدا ہونے کے بعد اسکی تقسیم اور تقسیم کے بعد اس کا تبادلہ کرکے لوگ اپنی احتیاجات پوری کرتے ہیں، اسی طرح پیدائش دولت کے بعد تقسیم دولت، مبادلۂ دولت، اور مبادلۂ دولت کے بعد صرف دولت پر بحث کیجائے گی، یہاں ہمکو اصول معاشیات بتانا مقصود نہیں، اسلئے ہم معاشی اصول کی توضیح و تشریح نہیں کریں گے، بلکہ اجمالاً ان کا ذکر کریں گے، قارئین سے یہ توقع کیجاتی ہے کہ وہ معاشیات کے کم از کم بنیادی اصولوں سے واقف ہونگے،

پیدائش دولت، معاشیات میں پیدائش دولت کا مطلب کسی چیز کی تخلیق نہیں، بلکہ کسی چیز میں افادے کا پیدا کرنا ہے، یہ جن اسباب سے پیدا ہوتا ہے، ان کو اصطلاح میں عاملین پیدائش کہتے ہیں، موجودہ مسلمہ مسلک کے اعتبار سے عاملین پیدائش، زمین، محنت، اصل اور تنظیم ہیں[2]، زمین سے معاشیات میں صرف سطح زمین مراد نہیں، بلکہ اس میں

---

[1] مقدمہ ص۲۲۳ طبع مصر، [2] زمانہ حال میں بڑے بڑے کاروبار پیدا ہو جانے کی وجہ سے تنظیم کو بھی ایک عامل پیدائش تسلیم کرلیا گیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ آج سے پانسو سال پیشتر اس قسم کے کاروبار وسیع پیمانہ پر مفقود تھے، اسلئے ابن خلدون

وہ تمام چیزیں شامل ہیں جن سے انسان کو دولت پیدا کرنے میں ناگزیر مدد ملتی ہے، اس موقع پر زمین کی چند خصوصیات کو پیش نظر رکھنا چاہئے، یعنی وہ ناقابل انتقال ہے، وسعت میں محدود ہے، انسان کی زندگی کے لئے لابدی ہے، اسکی قوت پیدا آوری محدود ہے، یعنی اس پر قانون تقلیل حاصل کا عمل ہوتا رہتا ہے، اور اس پر وقت (یعنی موسم) کی پابندی لازمی ہے، ہم جس وقت جو جنس چاہیں، کسی زمین سے بھی نہیں اگا سکتے، زمین کے سب سے زبردست عامل پیدائش ہونے کی وجہ سے قدیم معاشیین زمین کو بالواسطہ اصل تسلیم کرتے ہیں، لیکن اس سے براہ راست حاصل ہونے والی چیز یعنی فلاحت کو بلا واسطہ عامل مانتے ہیں، گو تمام دوسری اشیا بھی زمین ہی سے حاصل ہوتی تھیں، لیکن زراعت سب سے زیادہ اہم اور عام فہم تھی، چنانچہ ابن خلدون کا بھی یہی خیال ہے، وہ لکھتا ہے،

"فلاحت سب سے مقدم ہے، ..... معاش پیدا کرنے کا اہم واقدم ذریعہ یہی ہے، اسی وجہ سے آدم ابو البشر کی طرف منسوب ہے، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے، کہ معاش میں زراعت یا زمین سب سے مقدم ہے"[1]

بعض اوقات تمدن کی ترقی کی وجہ سے جو مکان کسی زمانہ میں معمولی قیمت پر اٹھتا تھا، اب نہایت بیش قیمت ہو جاتا ہے، یہی حال قابل کاشت زمینوں کا ہے، ابن خلدون اسکے اسباب میں لکھتا ہے:-

"شہروں میں زمین خواہ کسی قسم کی ہو ایک ہی وقت میں حاصل نہیں ہوتی، اسلئے شہر میں اس کی قیمت بہت گراں ہوتی ہے، اور لوگوں کے پاس اتنا روپیہ نہیں ہوتا کہ وہ ایک ہی وقت میں بہت سے قطعات خرید لیں، لیکن ایسا بھی ہوتا ہے، کہ جب ایک سلطنت کا زمانہ ختم ہوتا ہے، تو قلت منافع کی وجہ سے لوگ اچھی اچھی جائدادیں اونے پونے فروخت کرنا شروع کر دیتے ہیں، لیکن جب دوسری سلطنت قائم ہوتی ہے، تو ان املاک کی قدر و قیمت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے"[2]

زمانہ حال میں یہ سوال حد درجہ پیچیدہ ہو گیا ہے، کہ اس قسم کے اضافے کا مالک کون ہو؟ کیونکہ ترقی

(بقیہ حاشیہ ص۲۰) کا ذکر نہ کرنا کچھ تعجب خیز نہیں، [1] مقدمہ ابن خلدون ص۳۴۲، [2] ایضاً،

تمدن کی وجہ سے زمین کی قیمت میں جو اضافہ ہوتا ہے، اس میں مالکِ زمین کا کوئی حصّہ نہیں ہوتا، اسی وجہ سے اشتراکیت کے حامی اسکو دولتِ عامہ قرار دیتے ہیں، مگر ابن خلدون لکھتا ہے:

"شہروں اور دوسرے مقامات کی زمین کی قدر نئی سلطنت کی ترقی کی وجہ سے بڑھ جاتی ہے، اس میں مالک کی کوشش کو کوئی دخل نہیں ہوتا، البتہ دوربینی سے کام لینے والے اس کے حقدار ہوتے ہیں، یا ان کی اولاد اپنے آبا و اجداد کی کمائی ہوئی دولت سے کئی گنا زیادہ فائدہ حاصل کرتی ہے[۱]"

معاشیات کی زبان میں اس اصول کو اس طرح بیان کیا جائے گا، کہ جو لوگ خطرات میں پڑکر اپنی دولت کسی ایسے کاروبار میں لگاتے ہیں، جسمیں نفع سے زیادہ نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے، تو گویا وہ عظیم الشان نفع جو بعد کو ہوتا ہے، ان خطرات کا معاوضہ ہوتا ہے،

محنت زمین کے بعد دوسرا عاملِ پیدایش محنت ہے، محنت میں وہ تمام دماغی اور جسمانی کام شامل ہیں، جن سے معاشی دولت پیدا ہوسکتی ہے، جو کام تفریحی یا اور کسی غرض سے انجام دیئے جائیں، وہ معاشیات میں محنت شمار نہیں ہوتے، محنت کی خصوصیت ہے کہ وہ مزدور سے جدا نہیں ہوتی، لیکن نقل پذیر ضرور ہے، محنت میں مزدور کی مرضی کو دخل ہے، اور محنت کی اصلاح پر کم توجہ صرف کیجاتی ہے، معاشیئن نے محنت کی تین طرح تقسیم کی ہے، با مہارت و بے مہارت، دماغی و جسمانی اور پیدا آور و غیر پیدا آور ابن خلدون نے محنت کا ذکر بحیثیت عاملِ پیدایش اپنے مقدمے میں کئی جگہ کیا ہے، لیکن قریبًا ہر جگہ مختلف پیرایہ میں ابتدا ارمیں اشارہ کیا جاچکا ہے، کہ ابن خلدون نے معاشیات پر باقاعدہ بحث کم کی ہے، بہرحال ہم محنت کے متعلق اس کے منتشر بیانات کو یہاں جمع کئے دیتے ہیں، جسے اندازہ ہو جائے گا، کہ اس پر آج بھی اصولاً کم اضافہ ہوا ہے، ایک جگہ لکھتا ہے:

"کسب کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی جمع کرنے کی کوشش کرے، اور دولت حاصل کرنیکی تدبیر کرے،

۱؎ مقدمہ ص۴۰۳،

دولت پیدا کرنے کے لئے سعی و عمل نہایت ضروری ہے...... کسب و تمدن کے لئے انسانی عمل لابدی ہے کیونکہ انسان اگر صنعت و حرفت سے کچھ کمائے، تو اس میں تو کوشش و عمل ظاہر ہی ہے، اور اگر حیوان و نباتات و معدنیات کا مالک ہو تب بھی ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے کام کرنا ہی پڑتا ہے، ورنہ انسان کو نہ ان سے کچھ ملتا ہے، اور نہ وہ ان سے کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہے،...... بہر طور جسمانی سعی و عمل ہر جگہ ضروری بخصوصًا دولت پیدا کرنے کے لئے تو وہ ناگزیر ہے[۱]"

اس جگہ ابن خلدون نے محنت کا ذکر ایک عامل پیدایش کی حیثیت سے کیا ہے، اور ہمارے نقل کردہ آخری جملے سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ محنت کو جسمانی و دماغی دو قسموں میں تقسیم کرتا ہے، ایک جگہ لکھتا ہے،:-

"دماغی کاموں میں کتابت خاصۂ انسانی ہونے کی وجہ سے ایک نہایت شریف اور عمدہ صفت ہے[۲]"

اسی سلسلے میں ابن خلدون کے وہ خیالات جو اس نے طب کے سلسلے میں بیان کئے ہیں، خاص طور پر قابل لحاظ ہیں[۳]، انہی مقامات پر اس نے مختلفًا مہارت اور بے مہارت محنت پر روشنی ڈالی ہے، اور فن تعمیر کے سلسلے میں تو اس کو بالکل واضح کر دیا ہے، لکھتا ہے:

"عمارت کی مضبوطی...... فنِ تعمیر پر منحصر ہے، جن مقامات میں تعمیر کا عام رواج ہے، وہاں اس فن کے جاننے والے سب یکساں نہیں ہوتے، بلکہ

اھل ھذہ الصناعۃ القائمون	منھم البصیر	اس فن کے جاننے والے سب یکساں نہیں ہوتے
علیھا متفاوتون فمنھم البصیر الماھر[۴]		بلکہ بعض ماہر ہوتے ہیں، اور بعض غیر ماہر،

اسی طرح محنت پیدا آور اور محنت غیر پیدا آور پر اوس نے کیمیا کے سلسلے میں یوں روشنی ڈالی ہے،:-

"لوگ کیمیا میں وقت صرف کرتے ہیں، اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، جس طرح نیند میں ہاتھ پاؤں مارنے سے کوئی فائدہ نہیں[۵]"

اسی طرح وفیلیون کے باب میں بھی محنت پیدا آور اور غیر پیدا آور کا ذکر کیا ہے، اور اس پر

۱؎ مقدمہ ص۴۲۲، ۲؎ ص۴۵۲، ۳؎ ص۴۵۵، ۴؎ ص۴۴۲، ۵؎ ص۵۰۵،

بحث کی ہے،

لوازماتِ کارکردگی پر زمانہ حال میں بہت زور دیا جاتا ہے، اور کاروباری دنیا میں اسکی اہمیت بھی بہت بڑی موجودہ زمانے میں لوازم کارکردگی میں صحت، عام اخلاق اور مہارتِ فن یہ تین چیزیں شمار کی جاتی ہیں، ابن خلدون نے کارکردگی کے سلسلے میں صحت کا خاص طور پر ذکر نہیں کیا، البتہ طب کے سلسلے میں یہ بات نہایت صحیح لکھی ہو کہ

"شہروں میں طب کی بہت ضرورت رہا کرتی ہے، کیونکہ شہروں میں امراض کی کثرت رہتی ہے"[1]

اسی طرح اخلاق کے متعلق بھی اوس نے عمرانیات کے سلسلے میں اس کا جستہ جستہ ذکر کیا ہے، اور پیشہ وروں کے عام اخلاق کی خصوصیات کا ذکر کرتا ہے البتہ مہارتِ فن کے متعلق اوس نے پوری ایک فصل صرف کی ہے، لکھتا ہے :-

عملی کام میں ملکہ حاصل ہونے کو صنعت کہتے ہیں، اور صنعت عملی ہونے کی حیثیت سے محسوس و جسمانی ہے، اور جسقدر محسوس و جسمانی کام ہیں، وہ ہاتھ پاوں ہی سے مکمل ہوتے ہیں، اور بار بار کرتے رہنے سے ملکہ راسخ ہوتا ہے، اور اعلیٰ درجہ کے کام انجام دینے کے لئے اس میں مہارت پیدا کرنا ضروری ہے"[2]

محنت یا بالفاظ دیگر مزدور کی تغیر پذیری کے متعلق ابن خلدون کے خیالات تقریبًا وہی ہیں، جو اس زمانے میں سمجھے جاتے ہیں، وہ مزدور جو کسی خاص فن میں مہارت حاصل کر لیتے ہیں، ان کے لئے یہ بات بہت دشوار ہے کہ وہ آسانی سے اپنے پیشے کو تبدیل کر سکیں، اختصاصیت کے فائدے بھی ہیں، اور نقصانات بھی، نقصانات کے سلسلے میں اتنا ضرور خیال رہے کہ ایسی مہارتِ فن جسکی انسان کو کم ضرورت پڑتی ہے، اس میں فائدے کا پہلو کم ہوتا ہے لیکن جب تمدن پورے عروج پر ہوتا ہے، اسوقت فن میں اختصاصیت نہایت ضروری ہو جاتی ہے، ایسی مہارتِ فن کے متعلق ابن خلدون کہتا ہے :-

"مہارت درحقیقت ایک انسانی صنعت ہے، جس کے رنگ میں طبیعت ڈوب جاتی ہے، اور

[1] مقدمہ ص ۴۵۵ [2] ۔ ص ۳۴۵

درجہ دفعۃً حاصل نہیں ہوتا، ایک مدت کی مشق کے بعد کسی شخص کو کسی کام میں پوری مہارت حاصل ہوتی ہے، تو پھر اس میں قوت آخذہ کمزور ہو جاتی ہے، اسلئے اگر اس وقت کسی اور صنعت کی طرف توجہ کرے تو اس کو حاصل نہیں کر سکتا، مثلاً علم اگرچہ فکری ہے، لیکن جکو اسکی کسی ایک شاخ میں مہارت حاصل ہو جاتی ہے، تو دوسری شاخ میں وہ دستگاہ حاصل نہیں ہوتی"[1]

جب سے کہ مالتھس نے آبادی کے متعلق اپنا نظریہ پیش کیا ہے، اسوقت سے مسئلہ آبادی کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے، مختصرًا مالتھس کا نظریہ یہ ہے کہ آبادی سلسلۂ ہندسیہ یعنی ۱، ۲، ۴، ۸، ۱۶، ۳۲ کی نسبت سے بڑھتی ہے؛ اور اشیاے خوردنی کی رسد میں سلسلہ حسابیہ یعنی ۱، ۲، ۴، ۶، ۸، ۱۰ کی نسبت سے اضافہ ہوتا ہے، مالتھس کا خیال ہے کہ آبادی کو اشیاے خوردنی سے متوازن رکھنا چاہئے، ورنہ انسان کا نہایت خوفناک جنگ و جدل اور نیم فاقہ کشی بلکہ فاقہ کشی سے دو چار ہونا یقینی ہے، یہ موانع عمومًا دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک شرح پیدائش میں کمی دوسرے شرح اموات میں اضافہ، پہلی قسم کے موانعات کو موانعاتِ امتناعی، اور دوسری قسم کے موانعات کو موانعات مثبت کہتے ہیں ابن خلدون نے بھی تمدن کے سلسلے میں اس پر کافی بحث کی ہے، آبادی کے بڑھنے اور اس کے مثبت موانعات کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کر کے ان کے اسباب و علل پر بحث کی ہے، انکا خیال ہے کہ

"جب تمدن کے اسباب زیادہ ہوتے ہیں، تو نسل میں بھی بہت اضافہ ہوتا ہے، ...... جب آبادی کی بہت کثرت ہوتی ہے، تو قحط اور وبائی امراض ملک میں پھیل جاتے ہیں، .... اگر کسی وجہ سے غلہ بہت کم پیدا ہوتا ہے، تو غلہ کی کمیابی کی وجہ سے خلق خدا فقر و فاقہ کی مصیبت میں مبتلا ہو کر لقمۂ اجل بنجاتی ہے، ...... جب آبادی کی کثرت ہو جاتی ہے، تو وبائیں کثرت سے آنے لگتی ہیں، اس لئے کہ آبادی کی کثرت سے ہوا بگڑ جاتی ہے، اور اس میں سڑے مادے اور فاسد رطوبتیں بکثرت شامل ہو جاتی ہیں، جب ہوا بگڑ گئی، جو روح حیوانی کی غذا ہے، تو مزاج

[1] مقدمہ ص ۴۴۴

میں بھی خرابی آجاتی ہے، غرض کثرت آبادی سے قسم قسم کی وبائیں پھیلتی ہیں، اور آبادی کو کم کرتی ہیں؛[1]

امتناعی موانعات کا ابن خلدون نے کوئی ذکر نہیں کیا، البتہ اس موقع پر ابن رشد کے امتناعی طریقے کا ذکر یہاں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا،

"نوع انسان کی حالت نباتات کی سی ہے، یعنی جس طرح کاشتکار ہر سال بے ثمر درختوں کو اکھاڑ پھینکتے اور صرف کارآمد درختوں کو باقی رکھتے ہیں، اسی طرح یہ نہایت ضروری ہے کہ بڑے بڑے آباد شہروں کی مردم شماری کرائی جائے، اور ان لوگوں کو قتل کر دیا جائے، جو بے کاری کی زندگی بسر کرتے ہیں، اور کوئی ایسا پیشہ اختیار نہیں کرتے جو انکی معیشت کی کفالت کر سکے، شہروں کی صفائی حکومت کا پہلا فرض ہے، اور یہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ ناکارہ، لنگڑے، لولے اور بے مشقت آدمیوں سے شہروں کو پاک نہ کیا جائے"[2]

اس اقتباس سے اتنا تو یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے، کہ جس زمانے کی یہ تحریر ہے، اسوقت دولت پیدا نہ کرنیوالوں کے متعلق خیال کیا جاتا تھا، کہ وہ مملکت پر بار ہیں،

اصل، | زمین اور محنت کی بحث ختم کرنے کے بعد اب ہم اصل مسئلہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، زمانہ حال میں سائنس کے جدید انکشافات کی وجہ سے ہمارے تمدن میں عظیم الشان صنعتوں کا اضافہ ہوا ہے، ریلوے، جہاز، موٹر، اور اسی قسم کی بیسیوں صنعتیں بغیر کافی سرمایہ کے تکمیل کو نہیں پہونچتیں، قدیم زمانہ میں بڑے پیمانہ کی پیداوار کا اسقدر عام رواج نہ تھا، اسلئے اصل کی ضرورت بھی نسبتہً کم پیش آتی تھی، لیکن اصل اپنی ابتدائی شکل میں ہر زمانے میں موجود تھا، کون کہہ سکتا ہے، کہ نوح علیہ السلام کو آرے اور بسولے سے کام نہیں پڑا ہوگا؟ ابن خلدون نے اصل کے متعلق کچھ دقت نظر سے کام نہیں لیا، البتہ وہ یہ ضرور لکھتا ہے:

"ہم اپنی آنکھوں سے رات دن دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں کے پاس کافی روپیہ ہوتا ہے، وہ مختلف وسائل

---

1. مقدمہ ص ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، 2. ابن رشد مولفہ مولوی محمد یونس ص۲۴۴،

معاش سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور ان کی ثروت برابر بڑھتی جاتی ہے"[1]

موجودہ الفاظ میں ابن خلدون نے ان الفاظ میں اصل کی مصروفیت کا ذکر کیا ہے، جسکو آج کل کی اصطلاح میں مشتغل اصل کہتے ہیں، اور ضمناً یہ بات بھی واضح کر دی ہے، کہ دولت آفرینی کے لئے جن عظیم الشان کاروبار کی ضرورت پڑتی ہے، ان کے لئے اصل کی کافی مقدار ناگزیر ہے، اصل اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے اپنے اندر نہایت وسیع مفہوم رکھتا ہے، ابن خلدون نے اسکے ایک جزو پر علیحدہ بھی بحث کی ہے، وہ لکھتا ہے:-

"انسان کی اصل قابلیتیں بھی دولت پیدا کرنے میں اصل کا کام دیتی ہیں، مثلاً ہم فقہا اور اہل دین کو دیکھتے ہیں کہ جب انکو شہرت حاصل ہو جاتی ہے، اور لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت قائم ہو جاتی ہے، تو لوگ عام طور پر ان کی خدمت کرتے ہیں، خلقت ان کے دنیاوی کاموں کی طرف جھک پڑتی ہے، اور وہ دیکھتے دیکھتے مالدار بن جاتے ہیں، شہروں میں اکثر ایسے لوگ ہوتے ہیں، جو عمال، عہدہ داروں اور قاضیوں وغیرہ کی زمین خود جوت دیتے ہیں، اور یہ لوگ بیٹھے دولت بڑھاتے ہیں"[2]

اجتماع اصل کے شرائط میں پس اندازی، قوت ارادی، ملک میں اصل سے کام لینے کے ذرائع اور سیاسی امن و امان نہایت ضروری ہیں، ان میں آخر کی دو شرطوں پر ابن خلدون نے بہت زور دیا ہے، ایک جگہ لکھتا ہے:

"جب سلطنت کو زوال ہونا شروع ہوتا ہے، تو لوگ اپنا روپیہ پیسہ کاروبار میں نہیں لگاتے، بلکہ چھپا کر رکھتے ہیں، اس طرح جب تمدن ترقی پر ہوتا ہے، تو لوگ نئی نئی صنعتوں کی ایجاد و اختراع کی طرف توجہ کرتے ہیں، اور ابتدائی ضروریات پوری کرنے کے بعد تکلفات پر روپیہ خرچ کرتے ہیں، یہاں تک کہ صناع اور کاریگر بھی صنعت کی ترقی پر دل کھول کر روپیہ صرف کرتے ہیں، اور جب حکومت کسی صنعت کی سرپرستی کرتی ہے، تو اس قسم کے کاموں کو خوب ترقی ہوتی ہے"[3]

عاملین پیدائش کے تفصیلی بیان کے بعد اب ہم تحیر صنائع کا ذکر کرینگے، ہمارا یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ اکثر

---

1. مقدمہ ابن خلدون ص۳۲۴، 2. ر ص۳۲۴، 3. ر ص ۳۴۲، ۳۴۴،

کاروبار خاص مقامات کے ساتھ اس طرح وابستہ ہو جاتے ہیں، کہ اگر انہیں دوسرے مقامات پر جاری کرنے کی کوشش کیجائے، تو اس میں کامیابی نہیں ہوتی، جیسے اورنگ آباد کا مشروع، مراد آباد کے برتن، حیدر آباد کی گنڈیاں وغیرہ تجھیر صنائع کے محدود معاون اسباب میں خاص خاص اسباب خام پیداوار کی قربت، موافق آب و ہوا، بازار کی قربت اور حکومت کی توجہ ہیں، تجھیر صنائع کے متعلق ابن خلدون کے حسب ذیل خیالات قابل ذکر ہیں،

"جو چیزیں کہ عام شہروں کے لئے ضروری ہیں، وہ قریبًا ہر شہر میں مل جاتی ہیں، مثلاً لکڑی اور لوہے کی مصنوعات اور جو چیزیں کہ تکلف اور تفنن کے طور پر استعمال ہوتی ہیں، وہ صرف خاص خاص شہروں ہی میں پائی جاتی ہیں؛ ...... کیونکہ بڑے بڑے شہروں ہی میں ان کی قدر ہوتی ہے؛ نیز یہ کہ ہر مقام پر ہر قسم کی پیداوار موجود نہیں ہوتی، البتہ یہ ہوتا ہے کہ جو شہر بڑا اور تمدن میں ترقی یافتہ ہوتا ہے، وہان مختلف مقامات کی صنعتیں کھنچ کھنچ کر چلی آتی ہیں، اور یہ تو ایک بدیہی بات ہے کہ جو صنعتیں ایک شہر میں پائی جاتی ہیں، وہ دوسری جگہ نہیں پائی جاتیں، کیونکہ کسی خاص صنعت میں مخصوص مقامات کے لوگ ہی مہارت تامہ حاصل کر لیتے ہیں"[1] (باقی)

[1] مقدمہ ص ۳۴۴،

لغات جدیدہ کا نیا اڈیشن

لغات جدیدہ پہلے پہل ۱۹۱۰ء میں چھپی تھی، اور ملک کے عربی خواں حلقہ میں بہت مقبول ہوئی، یہ اس کا تیسرا اڈیشن ہے جس میں جنگ عظیم کے بعد سے اب تک جو سیکڑوں ہزاروں نئے الفاظ، اور اصطلاحات عربی زبان میں پیدا ہو گئے ہیں، وہ سب جمع کر دیے گئے ہیں، اور اس طرح سے یہ موجودہ عہد تک کے تمام جدید عربی الفاظ کی ایک مکمل ڈکشنری بن گئی ہے، شروع میں عربی کے جدید الفاظ و تراکیب کے عنوان سے ایک مقالہ بھی ہے جسکو مولوی مسعود عالم صاحب ندوی مدیر الضیاء نے مرتب کیا ہے، جدید اڈیشن کی تیاری میں موصوف کی کوششوں کا بڑا دخل ہے،

حجم:- ۳۰۰ صفحے، قیمت عہ

"منیجر"

ہندوستان کے اسلامی عہد میں فوجوں کی تنخواہ کا نظام

از

سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب رفیق دار المصنفین

فوجوں میں تنخواہ کا رواج اسلامی عہد سے شروع ہوا، رومن امپائر میں فوج کا انتظام فیوڈل سسٹم (نظام جاگیری) پر تھا، اس کا طریقہ یہ تھا کہ ملک کے مقتدر اور با اثر لوگوں کو بڑی بڑی جاگیریں دی جاتی تھیں، اور ان سے یہ عہد لیا جاتا تھا، کہ جنگی مہمات میں وہ فوجی خدمات انجام دیں گے، ان کے ساتھ خاص خاص تعداد کی فوجیں ہوتی تھیں یہ فوجی افسر بیرن کہلاتے تھے، اسی اصول پر یہ بیرن اپنے نیچے جاگیردار اور علاقہ دار رکھتے تھے، جس سے سلسلہ بہت سے طبقے قائم ہو گئے تھے، ان فوجوں کا واسطہ سلطنت سے مطلق نہ ہوتا، ان کا لگاؤ براہ راست اپنے علاقہ داروں سے ہوتا، اسلئے جب ملک میں بغاوت ہوتی، تو ہر علاقہ دار کی فوجیں علحدہ علحدہ صفوں میں کھڑی ہوتیں[1]، ایران میں بھی یہی دستور تھا، مرزبان اور دہقان اسی قسم کے جاگیردار اور زمیندار تھے[2]، یورپ میں یہ طریقہ آٹھویں عیسوی تک جاری رہا،

لیکن اسلام میں عہد آغاز ہی سے فوجوں کو وظیفے اور تنخواہیں ملا کرتی تھیں، ابتدا میں مفتوحہ ممالک کی آراضی مال غنیمت کے طور پر فوج میں تقسیم کر دی جاتی تھی، لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہد حکومت میں یہ روش

[1] انسائیکلو پیڈیا صفحہ ۳۰ جلد یازدہم [2] الفاروق حصہ دوم، از علامہ شبلی نعمانی،

پسند نہیں فرمائی، اور بعض بڑے صحابہ کی مخالفت کے باوجود فوج کے درمیان تقسیم اراضی کا سلسلہ موقوف کر دیا گیا، اور فوجی خدمت کے معاوضہ میں بیت المال سے وظیفے اور تنخواہیں مقرر ہوئیں، اور اس طرح فوج کی تنخواہ کے جاری ہونے کا رواج ہو گیا، اس پر اسقدر سختی سے عمل کیا گیا، کہ اگر کوئی ذمی مسلمان ہو جاتا، تو اس کی اراضی اس سے علیحدہ کر کے کسی دوسرے ذمی کے سپرد کیجاتی، اور اوسے فوج میں باتنخواہ ملازم رکھ لیا جاتا،[1]

بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانہ میں فوجوں کو نقد تنخواہ دینے کا رواج ضرور رہا، تاہم ان دوروں میں فوج کے درمیان اراضی تقسیم کرنے کا پھر رواج ہو گیا، قائدین لشکر کو بڑے بڑے علاقے دیے جاتے تھے، اس میں وہ کسانوں سے پیداوار کچھ خود لیتے اور کچھ حکومت کو ادا کرتے، اور ضرورت کے وقت وہی کسان اپنے علاقہ کے زمیندار کی سرکردگی میں میدانِ جنگ میں فوجی خدمت بھی انجام دیتے تھے، اس کے بعد کسی حکومت نے فوجی خدمات کے معاوضہ میں جاگیر دینے کے طریقے کو زیادہ رواج دیا اور کسی نے زیادہ حصہ تنخواہ کا رکھا، فوج کے معاوضہ کی یہی ملی جلی ہوئی شکلیں ہندوستان میں مسلمان فرمانرواؤں کے ساتھ آئیں،

محمود غزنوی کے فوجی نظام کی تفصیل ہمیں نہیں معلوم ہو سکی، مگر قیاس کہتا ہے، کہ وہ اپنی فوجوں کو تنخواہ دیا کرتا تھا، اراضی نہیں تقسیم کرتا تھا، میرے پاس اس کے قیاس پر کئی دلیلیں ہیں، اوّل یہ کہ سامانیوں نے اپنی حکومت میں جاگیر دینا قطعی طور پر بند کر دیا تھا، کیونکہ وہ اسکو حکومت کی بنیاد کے کمزور ہونے کا ذریعہ سمجھتے تھے، غزنویوں کا تعلق سامانیوں سے براہ راست تھا، اسلئے انھوں نے بھی وہی طرز اختیار کیا ہوگا، جو سامانیوں نے اپنی حکومت میں اختیار کیا تھا، دوم یہ کہ محمود غزنوی ایک کثیر التعداد فوج کا مالک تھا، جنکو جاگیریں دینا ممکن نہ تھا، سوم یہ کہ اسکی فوج میں دور دراز مقامات مثلاً ترکستان، خراسان، ماوراء النہر اور ہندوستان سے لوگ آکر بھرتی ہوتے تھے، جو یقیناً نقد رقم ہی تنخواہ میں لینا پسند کرتے ہونگے، اور آخری بات یہ ہے کہ محمود کی تاریخ میں ممالک مفتوحہ کو امراء پر تقسیم کرنے اور فوجوں کو اراضی دیکر کام لینے کا ذکر ہی نہیں ملتا، اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے، کہ محمود کی فوج میں کچھ ایسے دستے بھی ہوتے

[1] کتاب الخراج امام یوسف طبع مصر ص ۱۴ و ۱۵،

تھے، جو بلاتنخواہ صرف اسلام کی فتح و نصرت کی خاطر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے پیش پیش ہوتے، قنوج کی مہم میں اس قسم کے بیس ہزار سپاہی شریک تھے، جو ترکستان ماوراء النہر اور خراسان وغیرہ سے جہاد کرنے کے لئے آئے تھے،[1] پھر سومنات کی مہم میں محمود کی معیت میں رضاکاروں کی تعداد تیس ہزار تھی، جو زیادہ تر ترکستان سے آئے تھے،[2] جنگ کے بعد ان کو صرف مالِ غنیمت میں سے حصہ ملتا تھا،

عہدِ غلامان میں جاگیروں ہی کا رواج تھا، شمس الدین التمش نے دو ہزار سواروں کو دوآبہ کی زمین تنخواہ کے بدلے دیدی تھی، ان سواروں نے ان جاگیروں کو موروثی بنا لیا تھا، ان میں سے بعض تو مر گئے تھے اور بعض جنگی خدمات انجام دینے کے لائق مطلق نہ رہے تھے، پھر بھی جاگیروں پر وہ یا ان کی اولاد قابض تھی، غیاث الدین بلبن نے ان بے اعتدالیوں کو پسند نہیں کیا، اس نے ان اقطاع دارانِ شمسی کی تین قسمیں مقرر کیں، اوّل جو پیرانہ سالی کے سبب کسی کام کے نہیں رہے تھے، ان کی تنخواہ چالیس یا پچاس ٹنکہ مقرر کی، اور ان کی جاگیروں کو خالصہ میں داخل کر لیا، دوم جو اقطاع دار جوان اور ادھیڑ تھے، ان کی تنخواہ بحسب استعداد مقرر ہوئی، مگر جاگیر ان سے واپس نہیں لی گئی، تنخواہ ادا کرنے کے بعد جو آمدنی پس انداز ہوتی وہ شاہی اہلکاروں کے سپرد ہوتی تھی، قسم سوم یتیم اور بیواؤں کی تھی، جو اپنے غلاموں کو گھوڑوں اور ہتھیاروں کے ساتھ جنگی خدمت کے لئے بھیجا کرتے تھے، ان سے جاگیر واپس لے لی گئی اور بیواؤں اور یتیموں کی تنخواہ مقرر ہوئی، اس حکم کا جاری ہونا تھا کہ شمسی اقطاع داروں میں کھلبلی پڑ گئی، انھوں نے ہر ممکن صورت سے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، اور آخر کار ملک الامراء فخر الدین کوتوال کی وساطت سے بادشاہ سے یہ حکم منسوخ کرایا،[3]

علاء الدین کے زمانہ میں فوجی تنظیم بہت باضابطہ تھی، مغلوں کے متواتر حملوں سے ہندوستان کی سلطنت معرضِ خطر میں تھی، ان بیرونی حملوں سے محفوظ رہنے کے لئے علاؤ الدین نے اپنی فوج کی از سر نو تنظیم کی، پایۂ تخت اور دیگر مقامات میں بہت سے قلعے اور جنگی مورچے تعمیر کئے، چار لاکھ پچھتر ہزار سواروں کی ایک جرار فوج مرتب کی،

[1] فرشتہ جلد اول ص ۲۹، نولکشور، [2] ،، ص ۳۲، [3] تاریخ فیروز شاہی از ضیاء الدین برنی ص ۶۱

ان سواروں کے لئے کثیر مصارف کی ضرورت تھی، اسلئے خاص طور پر یہ انتظام کیا، کہ فوج والوں کو جو تنخواہ دی جاتی اس میں وہ آسانی سے گزارہ کر سکیں، چنانچہ کھانے پہننے، اور تمام ضروریات کی چیزوں کے سرکاری نرخ مقرر کئے گئے، نرخوں کے اس تعیین سے فوج والے اپنی قلیل تنخواہ میں بھی آسانی سے زندگی بسر کر لیتے تھے، عام طور سے درجہ اول کے سواروں کو ۲۳۴ ٹنکے، درجہ دوم کو ۱۵۶ ٹنکے، اور درجہ سوم کو ۷۸ ٹنکے سالانہ ملا کرتے تھے، جو سوار ایک سے زیادہ گھوڑا رکھتا تھا، اسکو کچھ ٹنکے سالانہ زیادہ ملا کرتے تھے، مثلاً ۲۳۴ ٹنکے پانے والوں کو ۳۱۲ ٹنکے ملا کرتے تھے[1]

علاء الدین فوجی سپاہیوں اور فوجی امرا کو جاگیریں نہیں دیا کرتا تھا، وہ جاگیر کو بغاوت اور سرکشی کا ذریعہ سمجھتا تھا[2]

لیکن سلطان محمد تغلق کے عہد میں خان، ملوک اور سپہ سالار کو بڑی بڑی جاگیریں دی جاتی تھیں، لشکر کا سب سے بڑا عہدہ دار خان، پھر امیر، اس کے بعد سپہ سالار ہوتا تھا، مسالک الابصار کا مصنف لکھتا ہے کہ ان افسروں کو عراق جیسی ایک بڑی جاگیر دیدی جاتی تھی، ہر خان کو دو لاکھ ٹنکے کی جاگیر، ہر ملک کے لئے پچاس ہزار سے لیکر ساٹھ ہزار ٹنکے کی جاگیر مقرر تھی، ہر امیر کے لئے تیس ہزار سے لیکر چالیس ہزار تک کی جاگیر اور ہر سپہ سالار کے لئے بیس ہزار یا اس سے کچھ کم ٹنکے کی رقم مقرر تھی، اور ہر سپاہی کو ایک ہزار ٹنکے سے لیکر دس ہزار ٹنکے تک دیے جاتے تھے، اس کے علاوہ

[1] برنی ص ۳۱۹ نیز فرشتہ ص ۱۱۵ [2] شمس سراج عفیف لکھتا ہے،

بدین مورخ ضعیف شمس سراج عفیف بروایات لطیف گفتند کہ سلطان علاء الدین بادہا دریں کردہا، گفتے وجہ بدگمانی در قسم جہانبانی سخت، کہ دیہ در وجہ باز نباید داد، زیرا چہ در یک موضع دیہ البتہ دویست و سی صد نفر مرد ساکن می باشند واین تمام نفر زہر یک وجہ دارند، اگر این چنیں چند نفر وجہ دار، از آثار غدر بسیار و اسرار فجور بے شمار جمع آیند، و متفق شوند، و اندیشہ فساد در قسم ملکی کنند عجب نبود، بدین سبب سلطان علاء الدین ہیچ کس را دیہ در وجہ نداد، حشم را ہر سال، مال از خزانہ دادی،

(عفیف ص ۹۵)

سلطان کی طرف سے ہر ملک کو کھانا کپڑا، اور گھوڑوں کے ساز و سامان کے ساتھ ایک ہزار سے لیکر پانچ ہزار ٹنکے تک ملتے تھے[1]

فیروز شاہ کے عہد میں جاگیر اور تنخواہ دونوں کا رواج تھا[2]، چنانچہ خان جہاں کو جو اقطاع اور پرگنے ملے تھے، ان کی آمدنی تیرہ لاکھ ٹنکے تھی، اس کے علاوہ اس کی فوج اور اولاد کی تنخواہیں اور وظیفے الگ مقرر تھے، امرا و ملوک خوانین کو ان کی لیاقت کے موافق مشاہرہ ملتا تھا، کسی کو آٹھ لاکھ، کسی کو چھ لاکھ کسی کو چار لاکھ، وجہ دار لشکر کو اتنی زمین دیجاتی تھی، کہ اکی آمدنی سے فارغ البالی سے زندگی بسر کرتے تھے، غیر وجہ دار سپاہیوں کو خزانہ شاہی سے نقد تنخواہ ملتی تھی، اور جن سپاہیوں کو اس طرح مشاہرہ ملتا تھا، ان کا مشاہرہ اقطاعات کی آمدنی پر مقرر کیا جاتا تھا، جب وجہ دار سپاہیوں کا اطلاق اقطاع پر ہوتا، تو وہ اقطاع دار سے زمین کی آمدنی کا نصف وصول کرتے، اس زمانہ میں بعض آدمی ان اطلاقات کو خرید لیتے تھے، وہ ایک تہائی سپاہیوں کو ادا کرتے اور بقیہ خود لے لیتے تھے، اس سے طرفین کو فائدہ ہوتا تھا، بہت سے خریدار اس طرح اطلاق کے خریدنے سے بڑے مالدار ہو گئے تھے، اور یہ ایک پر منفعت تجارت ہو گئی تھی[3]

لودیوں کے عہد میں بھی فوجی امرا کو جاگیریں ملا کرتی تھیں، ان فوجی امرا کو حکم تھا کہ اپنے منصب کے مطابق سپاہی رکھیں، اور ان میں کم و بیش نہ کریں، لیکن لودی حکومت کے آخری عہد میں ان فوجی امرا نے حکومت کی کمزوری سے بے جا فائدہ اٹھانا شروع کیا تھا، انھوں نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ جس وقت ان کا ماہانہ مقرر ہوتا تھا، تو وہ لشکر بہت دکھاتے تھے، اور جب ان کو جاگیریں مل جاتی تھیں، تو اکثر سپاہیوں کو جدا

[1] مسالک الابصار ص [2] شمس سراج عفیف لکھتا ہے:-

سلطان فیروز شاہ خلق را نانہاے بے قیاس کردہ و برائے ایں کار دست احسان بر آوردہ جہانی بلطیع آن سر در آوردہ بعضے را دہ ہزار تنکہ نان پرداخت تعیین کردہ، بعضے را پنجہزار، و بعضے را دوہزار، بر اندازہ ہر یکے و تمام حشم وجہ دار...... جملہ قریات خطط و قصبات بحشم قسمت کردہ داد

تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۹۵، ۹۶ [3] عفیف ص ۲۹۶ و ۲۹۷،

کر دیتے تھے، اور جنکو رکھتے بھی تھے، تو ان کی تنخواہیں ادا نہ کرتے تھے جب کبھی شاہی معائنہ ہوتا تھا، تو وہ ادھر ادھر سے باہر کے آدمیوں کو جمع کرکے دکھا دیتے تھے، چنانچہ جب وہ اپنی اس غیر منظم فوج کو میدان کارزار میں لاتے تھے، تو بجائے مفید ثابت ہونے کے اسکو شکست فاش ہوتی تھی، مگر ہزیمت سے ان کو کوئی ذاتی نقصان نہ پہنچتا تھا، وہ فوج درست کرکے دوسرے کے جاگیردار بنجاتے تھے، اس لئے شاہی خاندان کے زوال سے انکی مالی حالت پر مطلق اثر نہ پڑتا تھا[۱]

اس قسم کی بدعنوانیاں شیر شاہ کے زمانہ حکومت میں بھی تھیں لیکن شیر شاہ ایک تجربہ کار اور ہوشمند حکمران تھا، وہ امرا، اور سپاہیوں کے مکر و فریب سے اچھی طرح واقف تھا، اسلئے فوجی امرا کی ان چالاکیوں کو روکنے کے لئے اس نے داغ کا قانون وضع کیا، وہ گھوڑوں پر اپنے سامنے داغ لگواتا تھا، اور داغ کے نشان کے بغیر کسی کو تنخواہ نہ دیتا تھا یہانتک کہ خاکروبوں اور محل کی ملازماؤں کو بھی یہ داغ لینا پڑتا تھا اس طرح فوجی امراء کا اپنے منصب کے سپاہیوں میں غیر سپاہیوں کو داخل کرنا قطعی طور پر بند ہوگیا، شیر شاہ سپاہیوں اور گھوڑوں کا چہرہ (Descriptiverolls) باضابطہ لکھواتا تھا، اور اسی حساب سے تنخواہیں تقسیم کرتا تھا، سپاہیوں کی تنخواہ خود اپنی زبان سے مقرر کرتا تھا تاکہ سپاہی کے حق میں امرا دست اندازی نہ کر سکیں، اس کا معمول تھا کہ وہ روز نماز اشراق کے بعد لشکر کا معائنہ کرتا تھا، امراء اور سپاہیوں سے پوچھتا تھا کہ کوئی ان میں سے بغیر جاگیر کے تو نہیں ہے، اگر کوئی ہوتا تو ہم سے پہلے اسکو جاگیر ملجاتی تھی، اور اگر کوئی مہم کے وقت جاگیر کے لئے عرض کرتا تو سزا پاتا تھا، پرانے سپاہیوں کے لشکر کی موجودات لیتا تھا، اور نئے سپاہیوں سے باتیں کرتا تھا، افغانوں سے افغانی زبان میں گفتگو کرتا تھا، ان میں جو کوئی فصاحت سے گفتگو کرتا، اور پھر اپنی کمان کھینچ کر تیر اندازی کی مہارت دکھاتا تھا، تو اور سپاہیوں سے اسکو تنخواہ زیادہ دیتا تھا[۲]

فوجی امراء کی خیانت اور عیش پسندی کے سبب اکبر نے سابقہ فوجی نظام کا نقشہ بالکل بدل دیا، اور

۱؎ الیٹ جلد چہارم ص ۴۱۲، ۲؎ تاریخ شیر شاہی از عباس خاں بحوالہ الیٹ جلد چہارم ص ۴۱۳،

نئے نئے آئین بنائے، جو ردو بدل ہوتے ہوتے اس کے عہد کا ایک خاص نظام ہوگیا تھا، اکبر نے اپنی فوج کو ۶۶ حصوں میں ترتیب دیا، جو دہ باشی سے دہ ہزاری تک پہنچتے تھے، پنجہزاری کے اوپر کے مناصب شہزادوں کیلئے مخصوص تھے، باقی مناصب باستثنائے یوزباشی تین درجوں میں تقسیم تھے، اول، دوم اور سوم منصب کے درجے سواروں کے شمار سے ظاہر ہوتے تھے، اگر سواروں کا شمار منصب کے اعداد کے برابر ہوتا، تو منصب اول درجہ کا ہوتا، اور اگر سواروں کا شمار منصب کے اعداد کا نصف یا نصف سے زیادہ ہوتا، تو منصب درجہ دوم ورنہ درجۂ سوم سمجھا جاتا، مثلاً پنجہزاری پنجہزار سوار، پنجہزاری چار ہزار سوار، پنجہزاری دو ہزار سوار، اور ان میں پنجہزاری ہر جگہ منصب ہے، لیکن تینوں میں درجے کے منصب ہیں، جو منصب دار اپنی فوج آپ بہم پہنچاتا تھا، واقعی منصب دار تھا، لیکن کسی اور منصب دار کی مرتب فوج کے کسی حصہ پر سردار مقرر کردیا جاتا، تو وہ منصب دار داخلی کہلاتا، اس ترتیب سے اپنی فوجوں کو تقسیم کرنے کے بعد اکبر نے ہر منصب دار کے افسروں کی تنخواہ مقرر کی، اور اس کا نام تنخواہ ذات رکھا،

ابوالفضل نے آئین اکبری میں ہر فوجی عہدہ دار کا ماہانہ لکھا ہے، جو حسب ذیل ہے،

مناصب	ماہانہ		
	اول	دوم	سوم
دہ ہزاری	۶۰۰۰۰	۰	۰
ہشت ہزاری	۵۰۰۰۰	۰	۰
ہفت ہزاری	۴۵۰۰۰		
پنجہزاری	۳۰۰۰۰	۲۹۰۰۰	۲۸۰۰۰
چہار ہزاری و نہصدی،	۲۷۶۰۰	۲۷۴۰۰	۲۷۳۰۰
" ہشت صدی	۲۷۶۰۰	۲۷۴۰۰	۲۷۳۰۰

مناصب	ماہانہ		
	اوّل	دوم	سوم
چہار ہزاری و ہفت صدی	۲۶۸۰۰	۲۶۶۰۰	۲۶۵۰۰
″ شش صدی	۲۶۱۰۰	۲۶۲۰۰	۲۶۱۰۰
″ پانصدی	۲۶۰۰۰	۲۵۸۰۰	۲۵۷۰۰
″ چہارصدی	۲۵۲۰۰	۲۵۰۰۰	۲۴۸۰۰
″ سہ صدی	۲۴۴۰۰	۲۴۲۰۰	۲۴۰۰۰
″ دوصدی	۲۳۶۰۰	۲۲۴۰۰	۲۳۲۰۰
″ یکصدی	۲۲۸۰۰	۲۲۴۰۰	۲۲۴۰۰
چہار ہزاری	۲۲۰۰۰	۲۱۸۰۰	۲۱۶۰۰
سہ ہزار و نہصدی	۲۱۴۰۰	۲۱۲۰۰	۲۱۱۰۰
″ ہشت صدی	۲۰۸۰۰	۲۰۶۰۰	۲۰۵۰۰
″ ہفت صدی	۲۰۲۰۰	۲۰۰۰۰	۱۹۹۰۰
″ شش صدی	۱۹۶۰۰	۱۹۴۰۰	۱۹۳۰۰
″ پانصدی	۱۹۰۰۰	۱۸۸۰۰	۱۸۷۰۰
″ چہارصدی	۱۸۲۰۰	۱۸۰۱۴	۱۸۰۰۳
″ سہ صدی	۱۸۲۰۰	۱۸۰۰۰	۱۷۶۰۰
″ یکصدی	۱۷۸۰۰	۱۷۶۰۰	۱۷۵۰۰
سہ ہزاری	۱۷۴۰۰	۱۷۲۰۰	۱۷۱۰۰

مناصب	ماہانہ		
	اوّل	دوم	سوم
دو ہزار و نہصدی	۱۶۴۰۰	۱۶۲۰۰	۱۶۱۰۰
″ ہشت صدی	۱۵۸۰۰	۱۵۶۰۰	۱۵۵۰۰
″ ہفت صدی	۱۵۲۰۰	۱۵۰۰۰	۱۴۹۰۰
″ ششصدی	۱۴۶۰۰	۱۴۴۰۰	۱۴۳۰۰
″ پانصدی	۱۴۰۰۰	۱۳۸۰۰	۱۳۷۰۰
″ چہارصدی	۱۳۶۰۰	۱۳۴۰۰	۱۳۳۰۰
″ سہ صدی	۱۳۲۰۰	۱۳۰۰۰	۱۲۹۰۰
″ دوصدی	۱۲۸۰۰	۱۲۶۰۰	۱۲۵۰۰
″ یکصدی	۱۲۴۰۰	۱۲۲۰۰	۱۲۱۰۰
دو ہزاری	۱۲۰۰۰	۱۱۹۰۰	۱۱۸۰۰
ہزار و نہصدی	۱۱۹۵۰	۱۱۳۵۰	۱۱۴۵۰
″ ہشت صدی	۱۱۶۵۰	۱۱۴۰۰	۱۱۳۰۰
″ ہفتصدی	۱۱۲۳۵	۱۱۰۰۰	۱۰۸۰۰
″ ششصدی	۱۰۶۰۰	۱۰۴۰۰	۱۰۳۰۰
″ پانصدی	۱۰۰۰۰	۹۸۰۰	۹۷۰۰
″ چہارصدی	۹۶۰۰	۹۴۰۰	۹۳۰۰
″ سہ صدی	۹۲۰۰	۹۱۰۰	۹۰۵۰

مناصب	ماہانہ		
	اوّل	دوم	سوم
ہزار و دو صدی	۹۰۰۰	۸۹۰۰	۸۸۰۰
" یکصدی	۸۷۰۰	۸۵۰۰	۸۴۰۰
ہزاری	۸۲۰۰	۸۱۰۰	۸۰۰۰
نہصدی	۷۷۰۰	۷۴۰۰	۷۱۰۰
ہشت صدی	۵۰۰۰	۴۷۰۰	۴۴۰۰
ہفت صدی	۴۴۰۰	۴۰۰۰	۳۸۰۰
ششصدی	۳۵۰۰	۳۲۰۰	۳۰۰۰
پانصدی	۲۵۰۰	۲۳۰۰	۲۱۰۰
چہار صدی	۲۰۰۰	۱۷۵۱	۱۵۰۰
سہ صدی و پنجاہی	۱۴۵۰	۱۳۰۵	۳۵۰
سہ صدی	۱۴۰۰	۱۲۵۰	۱۲۰۰
دو صد و پنجاہی	۱۱۵۰	۱۱۰۰	۱۰۰۰
دو صدی	۹۷۵	۹۵۰	۹۰۰
یکصد و پنجاہی	۸۷۵	۸۵۰	۸۰۰
صد و بیست و پنج	۰۸۰	۷۴۰	۷۵۰
یوز باشی	۷۰۰	۶۰۰	۵۰۰
چہار بستی	۴۱۰	۳۸۰	۳۵۰

مناصب	ماہانہ		
	اوّل	دوم	سوم
سہ بستی	۳۰۱	۲۸۵	۲۷۰
پنجاہی	۲۵۰	۲۴۰	۲۳۰
تو کش بند	۱۷۵	۱۶۵	۱۵۵
بستی	۱۳۵	۱۲۵	۱۱۵
دہ باشی	۱۰۰	۸۲	۷۵

ان منصبداروں کے علاوہ فوج کے مختلف آدمیوں کی مختلف تنخواہیں تھیں، جو ذیل میں درج کیجاتی ہیں

تابینان، تابینان منصبداروں کے سوار ہوتے، پانچ سواروں کو چالیس ہزار دام سالانہ ملا کرتے تھے، یعنی ایک سوار کو ۸۰۰۰ دام ماہانہ ملتے، چالیس دام ایک روپیہ کے برابر ہوتا، اس لحاظ سے ایک سوار کی تنخواہ ۲۰۰ روپیہ سالانہ یعنی سولہ روپیہ دس آنہ آٹھ پائی ماہانہ ہوتی، ایک سوار جو ایک سے زیادہ گھوڑا رکھتا کچھ تنخواہ زیادہ پاتا، دو یا تین گھوڑوں والے سوار کو ۱۱۰۰۰ دام یعنی ۲۷۵ روپیہ سالانہ (۲۲ روپیہ ۱۴ آنہ ۸ پائی ماہانہ) ملتے، تابینان کو منصب داروں سے تنخواہ ملتی تھی، جو اپنے لئے ان تنخواہوں میں سے پانچ فی صدی وضع کر لیا کرتے تھے، تنخواہ عموماً چھ، پانچ اور چار ماہ پر ملتی تھی،

پیادگان، ان کے چار حصے تھے، اوّل دوم، سوم، چہارم، اول درجہ کے پیادگان کو پانچسو دام (۱۲ روپیہ ۸ آنے) دوم کو چار سو دام، (دس روپیہ) سوم کو تین سو دام (سات روپیہ آٹھ آنے) چہارم کو دو سو چالیس دام (چھ روپیہ) ملتے تھے[1]،

احدی، احدیوں کا معمولی سپاہیوں سے کچھ زیادہ درجہ رہتا، ان کی تنخواہیں مختلف ہوتیں، چالیس تو

[1] آئین اکبری صفحہ ۱۳۲،

سے پانچسو ماہانہ سے زیادہ تک ہوتیں،[1]

بندوقچی، بندوقچیوں کے سرداروں کی چار قسمیں تھیں، اول کو تین سو دام (۷ روپیہ ۸ آنے) دوم کو دو سو اسی دام (۷ روپیہ) سوم کو ۲۳۰ دام (۵ روپیہ ۱۲ آنہ) چہارم کو ۲۶۰ دام (۵ روپیہ ۸ آنے) ماہانہ ملا کرتے تھے، بندوقچی پانچ حصوں میں تقسیم تھے، اور ہر حصہ کی تین قسمیں تھیں، اول کو دو سو پچاس دام (چھ روپیہ چار آنے) دو سو چالیس دام (چھ روپیہ) دو سو تیس دام (پانچ روپیہ بارہ آنے) ملتے تھے، دوم کو دو سو بیس دام (پانچ روپیہ آٹھ آنے) دو سو دس دام (پانچ روپیہ چار آنے) اور دو سو دام (پانچ روپیہ) ملا کرتے تھے سوم کو ۱۹۰ دام (چار روپیہ ۱۲ آنے) ۱۸۰ دام (چار روپیہ آٹھ آنے) ۱۷۰ دام (چار روپیہ چار آنے) ملا کرتے تھے، چہارم کو ۱۶۰ دام (چار روپیہ) ایک سو پچاس دام (تین روپیہ بارہ آنے) ایک سو چالیس دام (تین روپیہ آٹھ آنے) پنجم کو ۱۳۰ دام (تین روپیہ چار آنے) ایک سو بیس دام (تین روپیہ) ایک سو دس دام (دو روپیہ بارہ آنے)

مناصب کی ماہانہ رقموں کے سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے، کہ وہ تنخواہ ذات اور دوابِ شاہی کے مصارف کا مجموعہ ہیں، آئین اکبری میں جدول مناصب میں ہر ہر منصب کے ساتھ کچھ تعداد گھوڑوں، ہاتھیوں، اونٹوں بیلوں خچروں اور چھکڑوں کی بھی مندرج ہے، یہ منصب داروں کے خاصہ ولوازمہ نہ ہوتے تھے، بلکہ یہ شاہی چیزیں ہوتی تھیں، جو دوابِ شاہی کہلاتی تھیں، ابوالفضل نے ان کی خوراک کی رقم کو بھی تنخواہ ذات کیساتھ شامل کر دیا ہے، اس مصرف کی شمولیت کی وجہ سے منصب داروں کی تنخواہیں بہت بڑی معلوم ہوتی ہیں، حالانکہ وہ محض مناصب یا اربابِ مناصب کی ماہانہ تنخواہ نہیں، آئین اکبری میں ہے،

"بہر یکے از امرا حلقہ ہا سپرد و دیدبانی فرمود کہ خورش از سرکار والا تنخواہ شد"

ایک دوسری جگہ ہے:-

چنانکہ ہر حلقہ بدیدبانی کے از امرا باز گرد و ہماں طور ہر فیل خاصہ بہ نیا قداری امیرے نامزد،

[1] آئین اکبری ص ۱۳۳

شمس العلماء مولوی عبد الرحمن صاحب دہلوی نے تحقیق کے بعد منصب داروں کی تنخواہ کا ایک اصول وضع کیا ہے، جو یہ ہے، منصب × ۲ + سوار × ۲ + رقم خوراک دواب = ماہانہ منصب، وہ لکھتے ہیں،

"یہ فارمولہ میری گھڑت نہیں، اگرچہ ایسی گھڑت میں بھی کوئی عیب نہیں ہے، جو میزان امتحان میں پوری اتر جائے، مگر یہ ضابطہ خود ابوالفضل نے آئین منصب میں بیان کرتا ہے، وہ لکھتا ہے،

یوزباشی یازدہ گونہ باشد نخست آن کہ با وے صد سوار بودہ شد، ماہوارہ ہفصد روپیہ یازدہم آن کہ با وے سوارے نبود، پانصد روپیہ و نہ میانی را در ہر دہ سوار لبت روپیہ افزودہ گردد،

عبد الرحمن صاحب پھر لکھتے ہیں:-

"جب یوزباشی باصد سوار ۷۰۰ پاتا تھا، اور یوزباشی داخلی کے سوار کو ۵۰۰ ملتے تھے، تو نتیجہ یہ ہے کہ سواروں پر دو سو روپیہ منصبدار کے حق ہوتے تھے یعنی فی سوار دو روپئے یہی نتیجہ دس سواروں پر بیس روپے سے نکلتا ہے، رہا خرچ دواب جب اسکو حساب کر کے نکالا تو ۳۰۳ روپیے نکلا، اس اضافہ یعنی ۳ روپیہ کو ذرا حساب سے خارج کر دیجئے اور پھر دیکھ لیجئے کہ ہم نے جو ضابطہ بیان کیا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں، (منصب × ۲ + صد سوار × ۲ خوراک دواب = ۷۰۰، یہی یوزباشی باصد سوار کا ماہوار ابوالفضل نے لکھا ہے،) رہا تین، تیرہ کا حذف، اس قسم کی بیشی تقریبًا ہر منصب کے ماہوارہ میں پائی جاتی ہے، اس نے مجھے بہت دنوں پریشان کر رکھا، اور آخر یہ معلوم ہوا کہ دواب کی خوراک کی رقم تحقیقی نہیں، بلکہ تقریبی ہوتی تھی، چنانچہ ضابطہ عالمگیری نام بیاض قلمی میں ہے،

"مبلغ کہ بنا ہر دواب بموجب حساب قرار می باید، آں را از تنخواہ وہمہ طلب سراسری نمودہ، بموجب تنخواہ در حصہ دواب می گیرند"

یہ سراسری وہی لفظ ہے، جسے ہم سرسری یا تقریبی کہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم آئین میں دواب کا خرچ ہر منصب کا تقریبی پاتے ہیں،

رہا ضابطہ ماہانہ منصب وہ آئین کے مناصب کا مدکے اعداد میں غور کرنے سے یہ نکلتا ہے، کہ منصب ×۲۰ برابر ہے ماہانہ منصب کے، اور ماہانہ منصب ×۱۲ اس کا سالانہ ہے، پھر اس میں سے تنخواہ ذات کے نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ منصب کی سالانہ رقم کو دو دفعہ ۱/۱۲ کیجئے، منصب سالانہ تنخواہ ذات نکل آئے گی، یہ ۱/۱۲ کا قاعدہ بلا استثنار تمام مناصب کی تنخواہ ذات میں جاری ہوا ہے، اور ہو سکتا ہے اب یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ منصب ×۴۰ یعنی یہ چھ کہاں سے پیدا ہو گیا، ۔۔۔۔ منصب وسوار کی ہر ہرا کائی پر دو دو روپیہ خود ابو الفضل بتاتا ہے، چار تو یہ ہو گئے، خوراک دواب جب مناصب کی نکالی تو ہر منصب کے دو چند سے زیادہ نکلی، اس زیادتی کے ساتھ ہم نے وہی عمل کیا، جو نزبا شی کی خوراک دواب کے ۳ روپوں کے ساتھ کیا تھا، اس لئے یہ دوان چاروں کے ساتھ ملکر چھ ہو گئے"[1]

تنخواہ دینے کے طریقے تنخواہ یا تو نقد یا جاگیر کی شکل میں ملتی تھی، سواروں کی تنخواہ منصبدار ادا کرتے تھے، پیادوں اور توپچیوں کو تنخواہ نقد ملتی تھی، یا اسی رقم کے برابر ان کو کچھ جاگیر دیدی جاتی تھی، منصبداروں کو عموماً جاگیریں ملتی تھیں، اس سے جانبین کو بھی سہولتیں ہوتی تھیں، حکومت کی تنظیم مرکزی ہونے کے سبب دور کے علاقوں کی نگہداشت اچھی طرح ہو نہیں ہو سکتی تھی، چنانچہ دور مقامات کی مالگذاری کی تحصیل جاگیرداروں کے حوالے کر دی جاتی تھی، منصب دار بھی جاگیر کو نعمت سمجھتے تھے، کیونکہ اول تو وہ تنخواہ کے معاملہ میں شاہی دربار کی رضا و رغبت سے مستغنی رہتے تھے، اور پھر جاگیر کے حسن انتظام سے کافی رقم پسماندہ کر لیتے تھے، منصبداروں کو جاگیر عموماً دار السلطنت سے دور مقامات پر دی جاتی تھی، اگر جاگیر وسعت اور رقبہ میں بڑی ہوتی تھی، تو جاگیر دار خود انتظام کرتے تھے، اور ان کا علاقہ نیم خود مختار ہوتا تھا، اگر جاگیر چھوٹی ہوتی، تو جاگیر دار فوجدار کے حوالے کر دیتے تھے، جو مالگذاری وصول کر کے ان کو ادا کرتے تھے،

تنخواہ یا جاگیر حاصل کرنے کے طریقے ایک درخواست جو حقیقت کہلاتی تھی، اس میں درخواست دہندہ اپنا نام ملازمت نمبر، تاریخ، اور دوسری تفصیل لکھتا، یہ درخواست "دیوان تن" کے پاس جاتی، جو اسے دیوان اعلیٰ

کے پاس بھیجتا، یہ بادشاہ سلامت کے سامنے پیش کرتا، جہاں سے رضامندی حاصل کرنے کے بعد وزیر تنخواہ یا جاگیر کا حکم صادر کرتا، یہ درخواست دیوان تن کے میر بخشی کے پاس آتی، جو اس پر "سیاہ دوں" لکھ دیتا، اس کے بعد واقعہ نویس کے پاس یہ کاغذ بھیجدیا جاتا، جو اپنے "واقعہ" میں درج کر لیتا، وہ اس کاغذ کی یادداشت تیار کرکے عرض مکرر کے لئے دفتر میں بھیجدیتا، یادداشت میں وہی باتیں ہوتیں، جو حقیقت اور دوں میں رہتیں، اس یادداشت کو وزیر "واقعہ" سے تصدیق کرنے کا حکم جاری کرتا، یہ تصدیق ہو کر آتی، تو دفتر کے داروغہ کے پاس جاتی، جہاں سے منظوری صادر ہوتی،

جرمانے فوجی تہذیب میں اگر کسی قسم کی بے اعتدالی ہوتی، تو جرمانے کئے جاتے جرمانے تین چیزوں پر ضرور عائد کئے جاتے، (۱) تفاوت اسپ (۲) تفاوت اسلحہ، (۳) تفاوت تابینان،

۱۔ تفاوت اسپ، اگر داغ کے وقت گھوڑوں کی نوعیت میں فرق ہوتا، تو ایک مقررہ رقم منصبداروں کی تنخواہ سے کم کر لی جاتی تھی، مثلاً ایک ترکی گھوڑے کے بجائے عراقی دکھلایا جاتا، تو بارہ روپیہ، ترکی کے بجائے "مجنّس" تو چھ روپیہ، تازی کے بجائے ترکی تو آٹھ روپیہ، یابو کے بجائے ترکی، تو نو روپیہ کم کر لئے جاتے، اسی طرح ترکی یا یابو تازی کے بجائے جنگلی گھوڑے دکھائے جاتے، تو بارہ دس اور آٹھ روپیہ علی الترتیب کم کر لئے جاتے،

۲۔ تفاوت اسلحہ، ملاحظہ کے وقت سواروں سپاہیوں، ہاتھیوں، یا گھوڑوں کے ساز و سامان میں کسی قسم کی کمی ہوتی، تو جرمانے کئے جاتے تھے، جسکی تفصیل حسب ذیل ہے،

منصب	رقم جرمانہ مندرجہ ذیل سامان نہ رہنے کے سبب														
	خود			بکتر			پاکھر			راکھ			سہ اسپہ		
	روپیہ	آنہ	پائی	روپیہ	آنہ	پائی	روپیہ	آنہ	پائی	روپیہ	آنہ	پائی	روپیہ	آنہ	پائی
۴۰۰	۲	۰	۰	۵	۰	۰	۴	۰	۰	۲	۰	۰	۱	۰	۰

منصب	خود	بکتر	پاکھر	رانک	سراسپہ
	روپیہ آنہ پائی	روپیہ آنہ پائی	روپیہ آنہ پائی	روپیہ آنہ پائی	روپیہ آنہ پائی
۳۵۰	۲-۰-۰۰	۴-۰-۰۰	۳-۱۲-۰۰	۱-۱۲-۰۰	۰-۱۵-۰۰
۳۰۰	۱-۱۲-۰۰	۴-۰-۰۰	۳-۸-۰۰	۱-۸-۰۰	۰-۱۴-۰۰
۲۵۰	۱-۸-۰۰	۳-۸-۰۰	۳-۴-۰۰	۱-۴-۰۰	۰-۱۳-۰۰
۲۰۰	۱-۰-۰۰	۳-۰-۰۰	۳-۰-۰۰	۱-۰-۰۰	۰-۱۲-۰۰

۳۔ تفاوت تابینان،

اسی طرح ملاحظہ کے وقت مقررہ تعداد سے سوار کچھ کم رہتے، تو بھی جرمانے عائد کئے جاتے تھے، چار مہینے کی تنخواہ سے ڈھائی روپے، پانچ روپیہ کی تنخواہ سے تین روپئے، چھ مہینے کی تنخواہ سے چار روپئے، سات مہینے کی تنخواہ سے سات روپئے اور آٹھ مہینے کی تنخواہ سے ۸ روپئے حذف کر لئے جاتے تھے،

۴۔ توقف تصحیح،

ایک مقررہ مدت کے درمیان شناخت (VERIFICATION) نہ ہوتی، تو منصبداروں کی پوری اور احدیوں کی آدھی تنخواہ تخفیف کر لی جاتی،

۵۔ گھوڑوں کی برطرفی اور ساقطی،

جب سواروں میں سے کسی کے گھوڑے مرجاتے یا بیکار ہو جاتے، تو ان کو ایک اسپہ اور دواسپہ کی شرح سے رقم ادا کی جاتی، یعنی اگر ایک سوار کا ایک گھوڑا مرجاتا یا بیکار ہو جاتا تو اسکو ایک اسپہ کے حساب سے ادا کیا جاتا تھا، اور اگر اس کے دونوں گھوڑے بیکار ہو جاتے، یا مرجاتے، تو اسکو ایک ماہ تک تنخواہ دیجاتی اور اس کے بعد وہ کوئی گھوڑا بہم نہ کرتا، تو اس کی تنخواہ روک دیجاتی تھی،

اگر کسی احدی کا گھوڑا مرجاتا، تو منشی ایک ساقط نامہ لکھدیتا تھا، جس سے اس کی تنخواہ ملجاتی تھی، اور

اگر اس کا گھوڑا صدر مقام سے دور نہیں مرتا، تو مردہ گھوڑے کے داغ کا نشان اور دم صدر مقام بھیجدی جاتی،

۶۔ غیر حاضری،

اگر کوئی سپاہی چوکی سے تین متواتر حاضریوں میں غائب رہتا، تو اسکی تنخواہ تخفیف کر دی جاتی، اور اگر چوتھی بار وہ حاضر نہ ہوتا، تو وہ معزول کر دیا جاتا، اور اسکی ساری تنخواہیں ضبط کر لیجاتی تھیں، رات کی ڈیوٹی یا جائزہ میں سے کوئی غائب رہتا تو ایک دن کی تنخواہ کاٹ لیجاتی، اور اگر شاہی معائنہ یا عیدین کے روز وہ غائب ہوتا، تو اس کی آدھے دن کی تنخواہ جاتی رہتی،

۷۔ بیماری،

بیماری کے سبب چوکی سے تین بار غیر حاضری معاف کیجاتی تھی، لیکن اس کے بعد تنخواہ روک لی جاتی تھی، اور ایک بیماری نامہ (میڈیکل سرٹیفکیٹ) طلب کیا جاتا تھا، جسکے بعد رخصت عطا کیجاتی تھی،

۸۔ رخصت،

اگر کوئی اپنے کام سے رخصت لیکر جاتا، تو اسکو ایک مہینہ کی رخصت نصف تنخواہ کیساتھ دیجاتی تھی، اور اگر وہ ایک مہینہ سے زیادہ دن رہتا، تو اسکو تنخواہ کا ۱/۴ یا ۱/۲ ادا کیا جاتا تھا، تین مہینہ کی غیر حاضری کے بعد وہ مفرورین میں شامل کر لیا جاتا تھا، شادی یا غم کے موقع پر ایک سپاہی اپنی ڈیوٹی سے صرف ایک مرتبہ غیر حاضر ہو سکتا تھا، اور اگر کچھ زیادہ دیر ہو جاتی تو اسکی تنخواہ کاٹ لیجاتی تھی،

۹۔ فراری،

اگر کوئی لشکر سے تنخواہ لینے کے بعد فرار ہو جاتا تو اتنی رقم اس کے قبض (تنخواہ کا بل) کے حاشیہ پر لکھ لیجاتی تھی، اور اسکی ضمانت والی رقم سے وصول کر لی جاتی تھی، اگر ایک بندوقچی ایک افسر کی ملازمت چھوڑکر دوسرے کے ماتحت چلا جاتا، تو اس کی نصف ماہ کی تنخواہ ضبط کر لی جاتی تھی، اور اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ میر دہیہ یا صادیوال نے اسکو ورغلا کر اپنے یہاں ملازم رکھ لیا ہے تو پھر ایسے افسروں کو خود جرمانے

ادا کرنے ہوتے تھے،

۱۰- فوتی،

اس کے لئے مختلف قوانین مروج تھے، عموماً یہ ہوتا کہ اگر کوئی فطری موت مرتا، تو اس کے وارثوں کو ایک مہینہ کی تنخواہ ادا کیجاتی، اور اگر کوئی سرکاری خدمت انجام دیتے ہوئے مارا جاتا، تو اس کے وارثوں کو پورے مہینہ کی تنخواہ دیجاتی تھی، مگر اس کے لئے قاضی کے یہاں سے وارث نامہ حاصل کرنا پڑتا تھا،[۱]

اکبر کے بعد جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد میں منصبداروں اور فوجوں کی تنخواہوں کا معیار تھوڑی سی کمی و زیادتی کے ساتھ قریب قریب یہی رہا،[۲]

عالمگیر کے زمانہ میں یوروپین سیاح برابر آتے رہے، انھوں نے عالمگیری فوج پر وضاحت کیساتھ تبصرہ کیا ہے، منوکی نے فوجوں کی جو سالانہ تنخواہیں اپنی کتاب میں درج کی ہیں، وہ حسب ذیل ہیں،

	اول	دوم	سوم
پنجہزاری	۲۰۵۰۰۰۰	۱۰۲۵۰۰۰	۶۸۰۶۳۰
چارہزاری	۲۰۰۰۰۰	۱۰۰۰۰۰	۶۶۶۰۰
سہ ہزاری	۱۵۰۰۰۰	۷۵۰۰۰	۵۰۰۰۰
دوہزاری	۱۰۰۰۰۰	۵۰۰۰۰	۳۳۳۳۳

[۱] یہ تمام تفصیلات آئین اکبری میں موجود ہیں، اور نیز دیکھو Army of the Indian Mughals by Irvine.

[۲] تزک جہانگیری میں جہانگیر لکھتا ہے:- "بطریق عموم حکم کردم کہ مناصب و جاگیر ہائے نوکران پدرمن برقرار باشد بعد ازان بقدر حالت ہر کس بر منصبہائے ایشان افزودہ از دہ دوازدہ کم نہ تا دہ سی و چہل اضافہ مقرر گشت و علوفہ جمیع احدیان را از فراز دہ پانزدہ و دہ ہیانہ کل شاگرد پیشہ دوازدہ فرمودم...... و مدد معاش اہالی ائمہ ممالک محروسہ را کہ لشکر دعا اند یک قلم مطابق فرامین کہ داشتند برقرار و مسلم گذاشتم"۔ (صدا نولکشور)

	اول	دوم	سوم
یکہزاری	۵۰۰۰۰	۲۵۰۰۰	۱۶۶۶۶
نہ صدی	۳۳۷۵۰	۱۶۸۷۵	۱۱۲۵۰
ہشت صدی	۳۰۰۰۰	۱۵۰۰۰	۱۰۰۰۰
ہفت صدی	۲۶۲۵۰	۱۳۱۲۵	۸۷۵۰
شش صدی	۲۲۵۰۰	۱۱۲۵۰	۷۵۰۰
پنجصدی	۱۸۷۵۰	۰	۶۲۵۰
چہارصدی	۱۵۰۰۰	۷۵۰۰	۵۰۰۰
سہ صدی	۱۱۲۵۰	۵۶۲۵	۳۷۵۰
دوصدی	۷۵۰۰	۳۷۵۰	۲۵۰۰
یک صدی	۳۷۵۰	۱۸۷۵	۱۲۵۰
چہاربستی	۳۰۰۰	۱۵۰۰	۱۰۰۰
سہ بستی	۲۲۵۰	۱۱۲۵	۷۵۰
دوبستی	۱۰۰۰	۷۵۰	۵۰۰

لیکن اروِن نے دستور الانشا اور دستور العمل کے حوالہ سے اس عہد کی جو سالانہ تنخواہیں لکھی ہیں وہ حسب ذیل ہیں

مناصب	اول	دوم	سوم
ہفت ہزاری	۳۵۰۰۰۰	×	×
شش ہزاری	۳۰۰۰۰۰	×	×
پنج ہزاری	۲۵۰۰۰۰	۲۴۲۵۰۰	۲۳۵۰۰۰

چہار ہزاری و پنج صدی	۲۲۵۰۰۰	۲۱۷۵۰۰	۲۱۰۰۰۰
چہار ہزاری	۲۰۰۰۰۰	۱۹۲۵۰۰	۱۸۵۰۰۰
سہ ہزاری و پنج صدی	۱۷۵۰۰۰	۱۶۷۵۰۰	۱۶۰۰۰۰
سہ ہزاری	۱۵۰۰۰۰	۱۴۲۵۰۰	۱۳۵۰۰۰
دو ہزاری و پنج صدی	۱۲۵۰۰۰	۱۱۷۵۰۰	۱۱۰۰۰۰
دو ہزاری	۱۰۰۰۰۰	۹۲۵۰۰	۸۵۰۰۰
یکہزاری و پنج صدی	۷۵۰۰۰	۶۷۵۰۰	۶۰۰۰۰
یکہزاری	۵۰۰۰۰	۴۷۵۰۰	۴۵۰۰۰
نہ صدی	۳۷۵۰۰	۳۶۲۵۰	۳۵۰۰۰
ہشت صدی	۳۱۲۵۰	۳۰۰۰۰	۲۸۷۵۰
ہفت صدی	۲۷۵۰۰	۲۶۲۵۰	۲۵۰۰۰
شش صدی	۲۳۷۵۰	۲۲۵۰۰	۲۱۲۵۰
پنج صدی	۲۰۰۰۰	۱۸۷۵۰	۱۷۵۰۰
چہار صدی	۱۲۵۰۰	۱۲۰۰۰	۱۱۵۰۰

برنیر کا بیان ہے کہ عہد عالمگیری میں یک اسپہ سوار کو پچیس روپیہ اور دو اسپہ سواروں کو نسبتًہ کچھ زیادہ تنخواہ ملتی تھی لیکن سواروں کو کم یا زیادہ دینا بہت کچھ امیروں کی فیاضی پر موقوف تھا، پیدل سپاہ کی تنخواہ میں پندرہ روپیہ ہوتی تھی، گولہ اندازوں کی تنخواہ بہت زیادہ تھی، خصوصًا فرنگی گولہ انداز بہت زیادہ تنخواہ پاتے تھے جب مغل جنگ کے فن سے بہت کم واقف تھے، تو اہلِ فرنگ کی تنخواہ دو سو روپیہ ماہوار تھی، مگر جب مغلوں کو اس میں مہارت حاصل ہوگئی تو عالمگیر ان فرنگیوں کو مشکل سے نوکر رکھتا تھا اور رکھتا بھی تو بیس روپیہ سے زیادہ تنخواہ نہیں دیتا تھا،[1]

[1] سفرنامہ برنیر اردو ترجمہ، گلزار ابراہیم پریس صفحہ ۲۰۹-۲۰۸

دیوانِ پنجم مصحفی

از

جناب قاضی عبدالودود صاحب بیرسٹر پٹنہ

مصحفی کا دیوان پنجم کمیاب ہے، اسوقت تک اسکے صرف دو نسخوں کا پتہ چلا ہے، اور دونوں حسنِ اتفاق سے پٹنہ میں موجود ہیں، ایک کتب خانہ مشرقیہ بانکی پور میں ہے، دوسرا جس کا ہم تعارف کرانا چاہتے ہیں، انجمن ترقی اردو صوبہ بہار کی ملک ہے، یہ نسخہ فضل علی خان صاحب بی اے، بی ایل، (سنگی دالان پٹنہ) کا عطیہ ہے، نواب سید جعفر حسن خان مرحوم متخلص بہ فیض ان کے اجداد مادری میں ہیں، اور وہ مصحفی کے شاگرد تھے، غالبًا یہ نسخہ ۱۲۴۰ھ سے پیشتر وہ لکھنؤ سے لائے تھے، کاتب کا نام معلوم نہیں، لیکن زمانۂ کتابت کے متعلق اتنا قطعی طور پر کہا جا سکتا ہے، کہ ۱۲۲۴ھ کے بعد کا لکھا ہوا ہے، اسلئے کہ دیوان ششم کا دیباچہ جو اسی سال کا تحریر کیا ہوا ہے، کسی سبب سے اس دیوان کے آخر میں درج ہو گیا ہے، یہ دیباچہ آئندہ بجنسہٖ شائع کر دیا جائے گا، اسلئے اس موقع پر ہم اس کے متعلق کچھ لکھنا فضول سمجھتے ہیں،

اوراق کی تعداد (بہ شمول مقدمۂ دیوانِ ششم) ۱۴۷، اور اشعار کی مجموعی تعداد ۴۲۹۵ ہے، عمومًا ہر صفحہ میں ۱۴ سطریں ہیں، لیکن پہلے صفحے میں صرف ۸ سطریں ہیں،

غزلیات، غزلوں کے اشعار کی تعداد ۳۳۴۶ ہے، اور دیوان کی ابتدا اس مطلع سے ہوتی ہے:-

کلی کو اس چمن میں جب نہ ہو وقفہ تبسم کا — لب ہر برگ گل پھر کیا کرے دعوی تکلم کا

اشعار ذیل سے مصحفی کے معتقدات مذہبی اور انداز طبیعت وغیرہ کا پتہ چلتا ہے، وہ اشعار بھی جن میں دوسرے شاعروں کا نام آگیا ہے، یا معاصرانہ اشارے ہیں، اس موقع پر نقل کر دیئے جاتے ہیں،

تخلص مصحفی کا پنج حرفی ہے، خداوندا،
یہ روئی کو تو اس کی طفیل پنج تن دھونا

مصحفی دلی کو لکھ بھیجی تھی میں نے یہ غزل
سچ بتا سن کر اسے درد و اثر نے کیا کہا،

اس شعر سے شبہہ ہوتا ہے، کہ درد و اثر اس غزل کی تصنیف کے وقت زندہ تھے، لیکن یہ واقعے کے خلاف ہے، درد ۱۱۹۹ھ میں اور اثر ۱۲۰۵ھ میں انتقال کر چکے تھے،

اے مصحفی عمر اتنی کی صرف سخن میں نے
عہدے سے بلاغت کے تو بھی نہ قلم نکلا،

قائم مقام نام تخلص ہے مصحفی ،
کب صفحۂ جہاں سے مرا نام گم ہوا،

ہے مدح سے تو اُنس ابھی تو نے مصحفی
گر ہاتھ سے رکھا قلم ذم تو کیا ہوا،

بزم سخن میں فکر مرا جب دخیل تھا،
خامہ مرے بیان میں پر جبرئیل تھا،

ہم مصحفی غنی ہیں، شعر و سخن کی دولت
رتبہ ہمارے آگے رکھتا ہے سیم و زر کیا

دریا دلی پہ آجا دے کچھ تو مصحفی کو
کس سوچ میں تو منعم وقت سوال ڈوبا

دلی کی آرزو میں میں روتا ہوں مصحفی
یاد آئے ہے وہ مجھکو نگمبود کا جو گھاٹ

مصحفی فکر سے خوں خشک ہوا اک تو مرا
تس پہ پیری نے کیا سر کو بھی ناکام سپید

ہوئی برنج والم میری شصت سال کی عمر
لگے نہ تیر سی کیوں دل میں اس کمان کی عمر

کھایا ہے جوش شہد بلاغت نے شصت سال
معجون عقل لائی ہے تک تپ قوام پر

رکھ پختہ دل کو دین محمد پہ مصحفی
مت جا فلاسفہ کے خیالات خام پر

مصحفی کا ہو یہ جب مسلک انداز غزل
خندہ کیوں کر نہ کرے سالک قزوینی پہ

قد اس کا نہیں اگرچہ کوتاہ
ہے جسم کی لاغری بہ افراط

لے یاد و نہ مصحفی کو کوئی (؟)
سمجھو نہ کم از رشید و طواط

مصحفی نظم غزل کے گرچہ عالم ہیں کئی،
دل مرا مائل ہے، لیکن یاس و حرماں کی طرف

تجھ کو دعوی ہے گر تجرد کا،
مصحفی اپنے سایے سے بھی بھاگ

داخل ہوا تھا حج میں تو جس سال غم کھا
آتا ہے مصحفی وہی ہر سال کاروان،

ہمیں نحوی کہے گا، مصحفی کون،
عبث مصروف عمرو و زید ہیں ہم،

مصحفی تھا نہ بس کہ عاشق شعر
مرتے مرتے رہی کتاب میں جان،

شعر و سخن کا مرتبہ ہے دور مصحفی
تجھ کو میاں روا نہیں اتنی فضولیاں

دو تین عورتوں سے لگا دل تو مصحفی
قسمت سے ہم کو وہ بھی ملیں مرکھنیاں

دربار امیراں میں جب چند کی ارزش ہو
اے مصحفی واں آکر کیا خوش ہوں ہما وے

مصحفی نیل کے گڑھے میں تو جاتا ہو بہت
مجھ کو ڈر ہے نہ ترا جی کہیں ناداں ڈوبے

یاد میں بغداد و دہلی کی در ایام فراق،
چشم طوفاں جوش تیری مصحفی شط ہو گئی

مصحفی تجھ سے کرے کیا ذکر اسکان دونوں
یک قلم جو بات تھی انشا سو القط ہو گئی،

اگر شعر بالا میں سید انشا سے خطاب نہیں تو اس کا مطلب کیا ہے؟

جو ہے مصحفی سالک راہ معنی،
وہ اپنا مجھے مقتدا جانتا ہے،

مصحفی سبطیوں نے روز یہ عیاری کی
سب کا زیور جو قرولی راہی قبطن ہوے،

اس شعر میں غالباً کاتب کی غلطی ہے، اسکا مطلب سمجھ میں نہیں آتا،

افسوس کر لی چھین نصاریٰ کے سگوں نے
یوں ہاتھ سے اس فرقۂ اسلام کی روٹی

وہ پری گر خط کا بھی کھینچے حصار
اپنے آگے قلعۂ کنجیر ہے،

اس دیوان میں دو غزلے بھی ہیں، ایک زمین میں سہ غزلہ بھی کہا ہے، مشکل اور آسان دونوں قسموں کی زمینوں میں غزلیں موجود ہیں، بعض تو ایسی ہیں جن میں دلپذیر اشعار نکل ہی نہیں سکتے، بہت سی زمینیں ایسی ہیں، جن میں ناسخ آتش اور ہوش کی غزلیں بھی پائی جاتی ہیں، چند غزلوں کے پہلے مصرعے درج ذیل ہیں،

۱۔ زلف آئینے میں ہے وہ طلسمات کا کیڑا،
۲۔ حنائے پا کی ٹھوکر دیتی ہے کھو خواب آتش کا

۳۔ مستان رہِ عشق کریں کیا گلہ ریا،
۴۔ ہمارے آنسوؤں کا آیا جبدم جوش میں دریا

۵۔ نگاہِ ناز نے جس کی دمِ نخچیر کو توڑا،
۶۔ نوا اسیران قفس شاکی ضیاد ہیں سب

۷۔ ہے یہ جو سطحِ بحر پہ تحریر موجِ آب،
۸۔ روزِ اوّل سے ہے یارو چرخ کجرفتار کج

۹۔ انگلی چھٹی تری ہے صنم نسترن کی شاخ
۱۰۔ اے فلک رکھ نہ تو یہ بات روا میرے بعد

۱۱۔ موسمِ گل نے کیے کوہ و بیاباں آباد
۱۲۔ ملتی ہے اجل جس کو کفن نذر پکڑ کر

۱۳۔ کبودی سے ہو کیوں ماتمی جلباب ناخن
۱۴۔ چل کریں ساقی چراغِ بادہ روشن آپ

۱۵۔ حلقہ کماں کا رکھ نہ گلِ اندام دوش پر
۱۶۔ داغوں سے میں ہوں جوش ربائے پرِ طاؤس

۱۷۔ نہ شہریوں میں ہیں نہ بیابانیوں میں ہم
۱۸۔ کچھ اس میں کم نہ ہوئیگی شانِ ستمگری

چند منتخب غزلیں اور متفرق اشعار ملاحظہ ہوں:۔

کل سیرِ گلستاں کو ہم کو بھی صبا جانا
بو باس کسی گل کی جاتے ہی اڑا جانا،

نت جالی سے برقع کی چھن چھنکے ترے جلوے
منہ ہم سے چھپایا تو لیکن نہ چھپا جانا،

دیوانے کی پھر تیرے کس طرح تسلی ہو
نے آنکھ لڑا جانا نہ منہ کا دکھا جانا،

کشتے کا ترے لاشہ افتادہ سرِ رہ ہے
شاید کبھی جی اٹھے ٹھوکر تو لگا جانا،

کیا کام کیا تو نے ہے یہ بھی ادا کوئی
پردے سے نکل آنا اور جی میں سما جانا،

اُس سروِ خراماں کو اے مصحفی آتا ہے
ہر پاؤں کی ٹھوکر میں فتنے کو جگا جانا،

فقط اک سادی الفت کا صنم نا تا سمجھتا تھا
محبت میں یہ صدمے ہوئیں گے میں کیا سمجھتا تھا

سمجھتا تھا مرے پہلو میں دل اک قطرۂ خوں ہے
معاذ اللہ، نہ اس قطرے کو میں دریا سمجھتا تھا

اے مصحفی آتش ہی نہ ہو جب کہ چلم میں،
کیا فائدہ بیٹھے نَے خالی کا بجانا،

ہوسکے ہے کہ دل اہلِ ہوس تہ و بالا،
کرے ہے شعلے کو جوں خار و خس تہ و بالا

سر زیرِ تیغِ ناز جھکایا نہ جائے گا،
ہم سے یہ بارِ عشق اٹھایا نہ جائے گا،

جاگیں گے لاکھ فتنے گلی میں تری صنم
پر بختِ خفتہ ہم سے جگایا نہ جائے گا،

ظالم دیارِ دل کا تجھے پاس ہے ضرور
ویراں ہوا یہ گھر تو بسایا نہ جائے گا،

نقشِ قدم کی طرح جب چل نہ سکا بٹھا دیا
تو نے تو مجھ کو اے فلک خاک ہی میں ملا دیا

کل نہیں پڑتی ایک دم اسکے بغیر جو مجھے
بیٹھے بٹھائے عشق نے روگ یہ کیا لگا دیا

مرغِ اسیر کو کبھی لاکے بہ رسمِ ارمغان
برگِ گلِ فسردہ بھی تو نے نہ اے صبا دیا،

قلزمِ حسن میں ترے وہ خسِ ناتواں ہے دل
موجِ کرشمہ نے جسے چاروں طرف بہا دیا

اب وہ نگاہِ لطف ہی یار کی اس طرف نہیں
سرمۂ تیرہ روز نے کچھ تو اسے سجھا دیا،

عید کے دن بھی مصحفی، اس سے رہا تو محترز
ہوتے ہی ہم کنار آہ منہ سے نہ منہ بھڑا دیا

خواریاں، بدنامیاں، رسوائیاں
عشق نے شکلیں یہ سب دکھلائیاں

وہ ہی کیں باتیں جو تجھکو بھائیاں
بل بے ظالم تیری خود آرائیاں

مر گئے لاکھوں ہی اور پروانہ کی
کیا کہوں میں اسکی بے پروائیاں

ایک صورت کے لئے اس عشق میں
سینکڑوں صورت کی ہیں رسوائیاں

گل کا گلہ نہ شکوۂ بادِ سحر کریں
یک چند ہم اسیر قفس میں بسر کریں،

خاک میں مل رہے ہیں ہم ہم سے نہ تم ہنسا کرو
جاؤ کسی کو ڈھونڈ لو اور ہی آشنا کرو

باہم نہ بس کہ مہر و محبت نہیں رہی
کچھ ہم کو اس سے جائے شکایت نہیں رہی

دم بند یہ کیا ہے اژدہام شر رشک نے
جو ہمکو بات کہنے کی قدرت نہیں رہی،

یاں چھاتیاں خیال میں رگڑا کئے ہیں ہم
ملنے کی روزِ عید کے حسرت نہیں رہی

آصف کے مرتے وہ بھی سفر وہیں کر گئی   اب لکھنؤ میں رسم سخاوت نہیں رہی
قسمت کا کیا گلہ ہے کہ ہے واجبی تو یہ   اب کے امیرزادوں میں ہمت نہیں رہی

— . —

زیب دامان مژہ سلک لیالی کیجئے،   دو گھڑی دل تو کہیں بیٹھ کے خالی کیجئے
ہمدمان موسم پرواز میں یہ خوب نہیں   عذر کوتہ دمی و ریختہ بالی کیجئے

— . —

کس بہانے سے ترے در تلک آئے کوئی   اور جو آئے بھی تو کیا بات بنائے کوئی

— . —

بہار پھولوں سے جب کوہ و دشت و راغ بھرے   تو ٹھنڈی سانس نہ کیونکر نسیم باغ بھرے

— . —

یہی دن اور یہی راتیں رہیں گی   نہ باہم کی ملاقاتیں رہیں گی،
وہی چالیں وہی گھاتیں رہینگی   تری سب سے ملاقاتیں رہیں گی،
کسی دن مصحفی مرجائے گا تو   اگر تیری یہی باتیں رہیں گی،

— . —

گر کار گریۂ چشم پر خون تلک نہ پہونچے   مضمون تازہ طبع موزون تلک نہ پہنچے

— . —

گو گود صبا تیری پھولوں سے بھری ہوگی   ہم وے نہیں جو ہم سے حسرت نظری ہوگی
مرغ قفسی کو تو اے گل کوئی رقعہ دے   گلشن سے روانہ کل باد سحری ہوگی

— . —

یا جان ہی جائے گی مری دھیان میں اسکے   یا ہاتھ ہی پہونچے گا گریبان میں اسکے

— . —

ترے کوچے میں قید غم سے دل آزاد ہوتا ہی   مسلمان دیکھ کر مسجد کو جیسے شاد ہوتا ہی،
کبھی غنچوں کو مسلے ہی کبھی پھولوں سے کھیلے ہے   نسیم صبح کے ہاتھوں چمن برباد ہوتا ہی،
چمن سے ہو کے آوارہ رہے ہم دور مقصد سے   کب اب ہم سے سراغ خانہ صیاد ہوتا ہی
ملے ہے جس طرح ہر روز اسکو تازہ رعنائی   ہمیں بھی اس طرح اک دل نیا امداد ہوتا ہی
ذرا اس شوخ سے کہدو کہ آئے رحم پر ورنہ   گلوے خاموشی آمادۂ فریاد ہوتا ہی
عجائب معجزہ صانع نے رکھا ہی یہ خوباں میں   جسے ویراں یہ کرتے ہیں وہی آباد ہوتا ہی

گرفتاری کا اپنی سوچ کرتا ہوں تو کہتا ہوں   کوئی کیونکر کسی کے دام سے آزاد ہوتا ہی
سبق میں عشق کے حیراں ہیں ہم تو دونوں اے مجنوں   نہ مجھ کو یاد ہوتا ہے نہ تجھ کو یاد ہوتا ہے،
ابھی خون جنون نکلا نہیں ہے فصد سے میری   تو ناحق در پئے بند اسکے اے فصاد ہوتا ہے
غبار تربت مجنون نہ ہوئے اس بگولے میں   صبا جو سامنے محمل کے یوں برباد ہوتا ہے
تڑپتے ہیں پڑے ہم نیم بسمل آہ کیا جانے   کسی کا کام کیونکر تجھ سے اے صیاد ہوتا ہے
نہیں اے مصحفی خوبان کو آتا رحم عاشق پر   دل ان سنگیں دلوں کا کسقدر فولاد ہوتا ہی

— . —

آخری غزل کا مقطع | اہل تلاش رہتے ہیں گھر گھر میں مصحفی   نادان کیا ہے تو نے کبھی روزگار بھی

— . —

رباعیات۔ | ۲۲ رباعیاں ہیں پہلی رباعی نقل کرنے کے بعد ہم چند رباعیاں اور نقل کریں گے،

نہ دل کو نجات آرزو سے اسکی   نہ طبع کو چین جستجو سے اس کی،
آیا جو نہ اب تلک وہ کافر لے آئے   کیا لڑ گئی آنکھ واں کسو سے اسکی

— . —

رتبے سے گریں اپنے عقول و افہام   ہو صبح و دودم سے دو بدو ظلمت شام
قسمت میں لکھا تھا ریختے کی یہ بھی،   واہی گوئی کا شاعری ہوئے نام

ناسخ کی شاعری کا چرچا دیوان پنجم کی تصنیف سے قبل ہی ہونے لگا تھا، کیا تعجب ہو کہ اس رباعی میں مصحفی نے ناسخ کی طرز کی مذمت کی ہو،

جو شخص کہ آج ہیں تمسخر پیشہ   اور رکھتے ہیں اپنا وہ تکبر پیشہ
اس مسخرگی پہ حیف ہے وہ ٹھہریں   پھر فن سخن میں بھی تبحر پیشہ

— . —

انشا، سعادت علی خان کے دربار میں پہنچ گئے تھے، ممکن ہو کہ انکی طرف اشارہ ہو،

جس بزم میں ہوئیں سبھی نقاد سخن،   ملتی ہو سخنور کو جہاں داد سخن،
وحشت سے نہ ہوے یادہ گو انکی شاد   ہو جس سے کہ ریختے میں بنیاد سخن،

آخری مصرعے کے نیچے لکھا ہے یعنی میر محمد تقی میر،

تین رباعیوں میں نواب وزیر یعنی سعادت علی خان کو مخاطب کیا ہے، رمضان میں وہ بیمار پڑے تھے عید سے قبل ہی صحت ہو گئی تھی، مصحفی نے کپتان فتح علی خان مشیر خاص سعادت علی خان کی فرمایش سے تہنیت صحت و عید میں رباعیاں کہیں، ممکن ہے کہ فتح علی خاں نے اپنی طرف سے یہ رباعیاں پیش کی ہوں،

ماہ رمضان گیا تو پھر عید آئی　　یہ عید ہمیں مژدۂ صحت لائی

نواب وزیر نے کیا غسل شفا　　کیا فتح علی کی آرزو بر آئی

نوروز ہے آج شادمانی کیجئے　　یعنی کہ نئے سر سے جوانی کیجئے

رنگ اسکا جو بسنتی ہے یہ کہتا ہے　　خوباں کو لباس اپنا دھانی کیجئے

یہ ناز و ادا یہ حسن صورت ہے کہاں　　کیوں کہئے نہ لکھنؤ کو پھر جانِ جہاں

دلی میں نہ آگرہ میں دیکھے ہم نے　　جو نور کے بقعے نظر آتے ہیں یہاں

اب یہ جو نئے ہوئے ہیں پیدا شاعر　　اور سمجھے ہیں، آپ کو بہ دعوی شاعر

بس دو ہی سخن میں ان کو سمجھا دیتا　　گر عہد میں ان کے کوئی ہوتا شاعر

اے مصحفی قدر مرغِ بستاں ہرگز　　رکھتا نہیں گو کہ ہو سیانا کوا

الفاظ متین اور لغت لالا کر　　ناحق نہ بنا تو ریختے کو ہوا

اہلِ معنی کو یہاں پوچھے ہے کون　　صورت ذلت ہے معنی سے عیاں

شعر نازک پڑھے آگے دنبے کے　　یہ مثل وہ ہے گدہے کو زعفران

آخر کی دو نظمیں دراصل قطعات ہیں، لیکن دیوان میں رباعیات کے تحت میں درج ہیں،

مثنویاں | مثنوی عشقیۂ عظیم بیگ مرزا اور بیگمات کے عشق کی داستان مسمی بہ گلزار شہادت، بیت اول:-

ہے یہ جو نئی سی اک حکایت　　اک زن سے ہے اسکی یوں روایت

اشعار آخر، ماہ رمضان کی تیرہویں شب　　کر نظم اسے میں کیا مرتب،

تاریخ رقم ہوئی ہے اس کی　　بارہ سے سولہ سن ہجری،

کی ہے جو یہ مثنوی میں ارقام　　گلزار شہادت اسکا ہے نام

یہ صنعت کلک مصحفی ہے،　　ہر حرف میں اسکے ساحری ہے

خوانندہ کو چاہئے جو ہو شاد　　مجھ کو بھی بہ فاتحہ کرے یاد

تعداد اشعار ۳۲۹، چند سال قبل یہ مثنوی راقم نے رسالۂ اردو اورنگ آباد میں چھپوائی تھی،

مثنوی مرغنامہ مرزا تقی، | اشعار ۲۰، یہ مثنوی اس زمانے میں لکھی تھی، جب مرزا تقی ہوس کے ملازم تھے، ان سے کچھ خوش نہیں، ایک شعر ہے:-

جب سے ہیں مرزا تقی کے ہم رفیق　　پیس کر کھاتے ہیں نت تب سے سویق

بیت اول،　دل میں تھا مدت سے یہ مذکور ہو　　ماجرا پالی کا بھی مسطور ہو،

بیت آخر،　سچ ہے اسکی قدر کوئی کیا جانے ہے　　مرغ میرا سب کو دلیا جانے ہے

تاریخ تولد | مظفر علی خاں کے یہاں لڑکا پیدا ہوا، تعداد اشعار ۸، "مظفر علی خان کے بیٹا ہوا" مادۂ تاریخ ہے اس سے ۴۴۳۴۲ نکلتا ہے، ۲ سے تقسیم کرنے سے تاریخ نکلتی ہے،

سلام، | ۸، سلام میں اشعار کی مجموعی تعداد ۲۱۲ ہے،

پہلا شعر،　جب فاطمہ کے لعل نے حجت تمام کی　　لائی قضا نوید اسے دار السلام کی

ایک مطلع　مجرا اسے جس کشتۂ مغفور کی گردن　　یوں کٹ گئی جیسے کسی مجبور کی گردن،

آخری شعر　رات پڑھتا تھا کوئی شاید سلام مصحفی　　تعزیہ خانہ میں دل (؟) زوری شیون ہوا،

نظم فارسی، | دیوان کا خاتمہ فارسی اشعار پر ہوتا ہے، ان کی تعداد ۱۵ ہے، اور عنوان "سلام بہر ترویح اول و آخر" کے اشعار یہ ہیں،

بہر ترویح سید عالم　　مصطفی فخر دو دو عالم،

پس بخوانید لے عوام وخواص سورۂ فاتحہ دگر اخلاص

یہ دیوان ۱۲۱۴ھ اور ۱۲۲۴ھ کے درمیان مرتب ہوا ہے، ہم نے دوسرے دواوین کے مطالعے کے بعد
دیوان کا زمانہ تصنیف متعین کیا تھا، لیکن وہ مضمون جو ہم نے پٹنہ اورنٹیل کانفرنس میں مصحفی کے متعلق پڑھا تھا، اسوقت
پیش نظر نہیں ہے اس مرتبہ جو کچھ زمانہ تصنیف کے بارے میں لکھا گیا ہے، وہ محض ایک ہی دیوان کی بنا پر ہے
دیوان میں دو رباعیاں اور ہیں، جو نقل کرنے سے رہ گئیں، مصحفی کے اصلی یا خیالی معشوق کا نام "مخفی" ہے
ان دونوں رُباعیوں میں اُسکی طرف اشارہ ہے:-

آخواب میں بھی نہ پاس میرے لیٹی | میں وصل کی شب جو بنا ئی ایٹھی،
یوں ذبح کرے ہے مجھ کو مخفی گویا، | یہ قوم میں ہے قصابنی کی بیٹی، ۱

کی تو نے اگر جفا بھی میں سہی | کی تو نے اگر دغا دغا بھی میں سہی
کیا تو نے کیا ہوا اے ضدیلی مخفی | کم بخت ترے لئے بلا بھی میں سہی ۲

مبادی فلسفہ حصّہ اوّل

یہ مولانا دریابادی کے مختلف فلسفیانہ مضامین کا مجموعہ ہے مضامین دلچسپ اور ان کا طرز بیان رواں و شگفتہ ہے، ۱۸۵ صفحے، قیمت: ۔عہ

مبادی فلسفہ حصّہ دوم،

یہ مولینا عبدالماجد دریابادی کے سات فلسفیانہ مضامین کا مجموعہ ہے، جو نظر ثانی کے بعد اس میں جمع کئے گئے ہیں، ۱۵۱ صفحات، قیمت: ۔عہ

"منیجر"

لطیفۂ فیضی

از

خواجہ سید رشید الدین صاحب مودودی لکھنوٗ،

نواب سید محمد علی حسن خان صاحب مرحوم کے کتب خانہ میں ایک قلمی کتاب، لطیفۂ فیضی کے نام سے موجود ہے کتاب مذکور کسی قدیم نسخہ سے منقول ہے، اور بھوپال کے مشہور مورخ مولینا عباس شیرازی نے بعد تصحیح نواب والا جاہ مرحوم کے کتب خانہ سے اسکی نقل حاصل کی ہے، لطیفۂ فیضی کا جامع نورالدین محمد عبد اللہ حکیم عین الملک شیرازی ہے، تاریخ تالیف ۱۰۳۴ھ ہے،

دیباچہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس میں فیضی کے وہ عرائض و خطوط اور واقعات جمع کئے گئے ہیں، جنکو ابوالفضل جمع نہ کرسکا تھا، اور وہ منتشر و پراگندہ صورت میں تھے، اون کو ترتیب دیکر لطیفۂ فیضی کے نام سے ایک مجموعہ کی صورت میں جمع کردیا گیا ہے،

کتاب میں پانچ لطیفے اور تین منطوقات ہیں،

لطیفۂ اوّل عرائض والا درگاہ،
لطیفۂ دوم معارضات منظرتہ فیاضی بشرفا، وعلما وعرفا،
لطیفۂ سوم بحکما معاصر،
" چہارم بسلاطین و امرائے عظام
" پنجم بہ بنائک واخوان واقارب،

منطوقۂ اول مناجات نائف البرکات، علامی فہامی،

" **دوم** رقعات لطائف نکات خیرالانامی،

" **سوم** مکاتیب متفرق کہ اعزہ واقارب شیخ فیضی نوشتہ اند،

خاتمہ واردات فقرات ومناجات راقم بہ "لطیفۂ فیضی" سنہ ۱۰۳۵ ہجری کہ تاریخ انجام وانتظام این مطلب اہم است، موسوم ساخت،

سرسری مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ فیضی اکبر کے جانب سے معاملات سیاسی وانتظامی کی جانچ کی غرض سے بھیجا گیا ہے، وہ جس جس جگہ پہنچا ہے، وہاں کے عمال واکابر کے حالات لکھتا ہے، دکن میں شاہزادگان کی معیت میں جاتا ہے، برہانپور میں ایک بڑا دربار آراستہ کرتا ہے، راجہ علی خاں کو فرمان جاگیر عطا کرنیکی رسم ادا کرتا ہے، احمد نگر وغیرہ کے باغیوں کے فسادات کا تذکرہ کرتا ہے، دکن کے الحاق کی راے دیتا ہے، اور ایک صاف صاف ملکی رپورٹ کی صورت میں وہاں کے تمام حالات ورسوم درباری کا تذکرہ کرتا ہے، اور ضمناً صدہا اکابر، علماء صلحاء حکماء کے حالات لکھتا ہے،

مختصر خطوط اور بیجاپور کے باہمی مراسلات دلچسپ ہیں،

اگر اس کتاب کا کوئی دوسرا نسخہ کسی صاحب علم کے پاس ہو یا کسی علم دوست کی نظر سے گذرا ہو تو مطلع فرمائیں،

تذکرہ شعراے پنجاب

مرتبہ ملک محمد باقر صاحب نسیم رضوانی ایم اے، سابق ریسرچ اسسٹنٹ پنجاب یونیورسٹی لاہور

شعراے پنجاب کے متعلق یہ پہلی تصنیف ہے جس میں نہایت کاوش سے پنجاب کے عصر حاضر کے شعراء کے دلچسپ سوانح حیات، انتخاب کلام اور تصنیفات کی تفصیل جمع کی گئی ہے، جدید اردو شاعری کے رجحانات پر ایک سیر حاصل تبصرہ اور بیشتر شعراء کی تصاویر کتاب میں شامل ہیں کتابت، طباعت، نہایت عمدہ کتاب مجلد ہے، حجم ۳۱۲ صفحے قیمت فی جلد دو روپئے علاوہ محصولڈاک،

منیجر دفتر تذکرہ گجرات، پرنٹنگ پریس گجرات، (پنجاب)

تلخیص وتبصرے

جدید ترکی کا بانی

نیشنل ٹائمز میں ایک مضمون اتاترک مصطفی کمال پاشا کے متعلق عصمت پاشا صدر اعظم جمہوریہ ترکیہ کے قلم سے شائع ہوا ہے، جسے لاہور کے انگریزی ہفتہ وار ٹروتھ نے اپنی اشاعت مورخہ یکم جون ۱۹۳۶ء میں نقل کیا ہے، مضمون نگار کو اتاترک اور جدید ترکی سے جو تعلق ہے، اس سے شاید ہی کوئی پڑھا لکھا شخص ناواقف ہو، اس تعلق کے لحاظ سے مضمون کی اہمیت ظاہر ہے، اس لئے ہم اس کی تلخیص ناظرین معارف کے لئے ذیل میں پیش کرتے ہیں،

ہر بڑے آرٹسٹ کی طرح جس کی انسانی اور ذاتی خصوصیات اس کے کام پر اثر انداز ہوتی ہیں، اتاترک کی شخصیت نے بھی ترکی سوسائٹی اور ترکی حکومت کی پالیسی پر ایک نمایاں اثر ڈالا ہے،

ہمارا سردار جو ایک انقلاب پسند اور جنگ جو طبیعت لیکر پیدا ہوا، جماعت کے ساتھ زندگی بسر کرنا، اور جماعت کیساتھ مل کر کام کرنا دل سے پسند کرتا ہے، جب بہت سے لوگ مجتمع ہو کر کسی سائنٹفک یا سوشل مسئلہ پر بحث ومباحثہ کرتے ہیں، تو اُسے غیر معمولی مسرت ہوتی ہے، اور وہ اس مباحثہ میں کئی کئی گھنٹے مسلسل خود بھی شریک رہتا ہے، اسی طرح سامعین کے ایک بڑے مجمع کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ جو اس کے زیر غور ہو بیان کرنے میں اُسے خاص مسرت ہوتی ہے، وہ اُن لوگوں کو بحث میں شریک کرلیتا ہے، اور پھر انھیں اپنا ہم خیال بنانے کی پوری کوشش کرتا ہے،

اتاترک کی اس خصوصیت نے ان لوگوں پر جو جلسوں میں خاموش رہنے اور اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کے

عادی ہیں، بہت حوصلہ افزا اثر ڈالا ہے،

جن لوگوں نے قدیم یا موجودہ زمانہ میں کسی جدید دور کا افتتاح کیا ہے، یا کوئی نیا طرز حکومت قائم کیا ہے، ان میں بمشکل کوئی فرد ایسا نکلے گا، جس نے سوسائٹی اور قوم کے اندر رہکر اپنے کام کو اس حد تک ترقی دی ہوا جس حد تک اتاترک نے دی ہے، اس کے لئے محض ذاتی میلانات اور کوئی خاص ذوق رکھنا کافی نہیں، انسان کا مقام جسقدر بلند ہوتا جائے گا، اسی قدر وہ خطرات بھی بڑھتے جائیں گے، جو عوام سے تعلق رکھنے اور بحث و مباحثہ کرنے سے پیدا ہوتے ہیں، جب کوئی شخص کسی عام مقام پر آزادی کیساتھ لوگوں سے گفتگو او بحث کرتا ہے تو کوئی نہ کوئی بالکل غیر متوقع طور پر ایسے سوالات پیش کر دیتا ہے، جن کے جواب کے لئے وہ شخص مطلق تیار نہیں ہوتا، ایسے معرکہ میں فتحیاب ہونے کے لئے ایک زبردست ذہنی سرمایہ نیز خداداد ذکاوت اور فہم و فراست کی ضرورت ہے، اتاترک کو یقین اور ذمہ داری کیساتھ گفتگو کرنے کا ایک خاص سلیقہ حاصل ہے، اور جب اوس سے غیر متوقع طور پر کسی پیچیدہ سائنٹفک، پولٹیکل یا دوسرے مسئلہ پر بحث کرنے کو کہا جاتا ہے، تو وہ اپنے اس مخصوص آرٹ کو استعمال کرتا ہے، اسکی سوشل زندگی کی قابلیت نے اسے دوسروں کو قائل کر دینے کے فن میں پوری طرح ماہر کر دیا ہے۔

لوگوں کے ساتھ میل جول، لوگوں سے ملنے اور ان کے ساتھ مل کر کام کرنے کا جو سلیقہ اتاترک کو ہے، وہ اس ملک کے لئے بے انتہا مفید ثابت ہوا ہے، جب اوس نے ۱۹۱۹ء کے انقلاب کی تحریک اٹھائی، تو اپنے خیالات کانگرس کے نمایندوں اور انفرادی اشخاص کے ذہن نشین کرانے کی پوری کوشش کی، اس نے سب سے پہلے سوسائٹی کو اپنا ہم خیال بنانا شروع کیا، یعنی حقیقۃً اس نے ایک جدید سوسائٹی پیدا کرنی شروع کی، اس کوشش کا سب سے بڑا کارنامہ مجلس ملی (Grand National Assembly) کی آفرینش تھا،

مجلس ملی مجلس ملی قوم کے ارادہ کی ایک مجسم شکل تھی، ترکی کے اندرونی اور بیرونی دونوں دشمن سب سے زیادہ مجلس ملی سے ڈرتے تھے، اسطرح قومی تحریک کی بنیاد ایک ایسی چیز پر رکھی گئی ہے، جو قوم کی ناقابل انکار قابلیت کا ایک حقیقی اور ضروری مظہر ہے، اسوقت کی حالت کا اقتضاء یہ تھا، کہ تمام صحیح الخیال اور راسخ العقیدہ محب وطن ایک علم کے نیچے جمع کرلے جائیں، جنگ اور انقلاب کے زمانہ میں ایک اسمبلی کی مدد سے کسی قوم کے معاملات کو چلانا آسان نہیں ہے، یہ صرف اتاترک کی قابلیت کا نتیجہ تھا، جو اسے دوسروں کے ساتھ مل کر کام کرنے میں حاصل ہے کہ ہم اس مشکل لیکن مفید طرز حکومت کو قائم کر سکے، انقلاب کے پہلے دور کے بعد بھی قومی معاملات پر سب سے زیادہ اثر مجلس ملی ہی کا تھا، اس کا اثر اگرچہ اب بھی بہت زیادہ ہے، لیکن ترکی کے باہر کافی طور پر محسوس نہیں کیا جاتا، کیونکہ باہر کے لوگ صرف اتنا ہی دیکھتے ہیں کہ اس میں پولٹیکل پارٹیوں کی کوئی بڑی تعداد موجود نہیں ہے، تاہم واقعہ یہ ہے کہ قوم اور حکومت کی قسمت کا فیصلہ زیادہ تر اسی کے ہاتھ میں ہے،

مجلس ملی کو حقیقی اختیارات حاصل ہیں، ملک میں جو اصلاحات جاری کی گئی ہیں، وہ اس کے منظور کردہ قوانین کے بغیر نافذ نہیں کیجا سکتی تھیں، اس کے مباحثوں کی وجہ سے ارکان حکومت کو اکثر مشکلات پیش آتی ہیں، مجلس کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش ترکی وزراء کے لئے ہمیشہ ایک بڑی مہم رہی ہے، اور آیندہ بھی رہے گی،

پارلیمنٹری نظام حکومت کو مکمل کرنے کے لئے یہ کسی حیثیت سے بھی ضروری نہیں، کہ اسمبلی تباہ کن مظاہروں کو عمل میں لائے جو بالآخر اسے برخاست کر دینے کا سبب ہوں، ہمارے سامنے ایسے ملکوں کی مثالیں ہیں، جو ان چیزوں کے بہت زیادہ عادی ہیں، مجلس ملی جسے حقیقی اختیارات حاصل ہیں، لیکن جنہیں وہ برباد کن طریقہ سے استعمال نہیں کرتی، اس نقطۂ نظر سے ترکی میں تعلیمی اور سیاسی ترقی کو تقویت پہونچانے کا سب سے زیادہ موزوں اور مناسب ذریعہ ہے،

مجلس ملی کی حب الوطنی ہمیشہ سیاہیانہ رہی ہے، اور ملک کے لئے اس نے ایک نمونہ کا کام دیا ہے، اتاترک کا رسا دماغ مجلس اور ارکان حکومت کے لئے ایک بڑی مدد ہے، ضعف عزم اتاترک کے قریب بھی نہیں آتا، ہمیشہ خوش مزاجی جیتی ظاہر ہوتی رہتی ہے، زندگی کی سخت کشمکش میں انسان کو ضرورت ہوتی ہے استقلال اور ثابت قدمی کی، امید اور خوش مزاجی کی، یہ چیزیں اتاترک کی وجہ سے ہماری زندگی کا بنیادی اصول ہوگئی ہیں،

اتاترک کو لوگوں کے مجمع میں دیکھ کر دراصل مسرت ہوتی ہے، نصف گھنٹہ کے اندر مجمع کی پژمردگی رخصت

ہو جاتی ہے، اور مسرت اور ایک نئی اور پرجوش زندگی کی لہر سب کے چہروں پر دوڑنے لگتی ہے، اس سے بھی زیادہ اہم یہ بات ہے کہ مجمع میں فوراً باہمی ہمدردی، رواداری اور اتحاد کے جذبات ظاہر ہونے لگتے ہیں، افراد ایک دوسرے سے وابستہ ہوکر اتاترک سے وابستہ ہوجاتے ہیں، اور ایک ٹھوس جماعت قائم ہوجاتی ہے، ایسے موقعوں پر عوام کے جذبات اپنی انتہائی بلندی تک پہونچ جاتے ہیں، لوگ ہر طرح کی پابندی سے آزاد ہوکر بے تکلفی اور خود اعتمادی محسوس کرنے لگتے ہیں، ہر شخص اپنی بہترین تقریر کرتا ہے، اور اپنے بہترین جوہر دکھاتا ہے،

خود اعتمادی

مجلس ملی کے اجلاسوں میں جو جذبہ غالب نظر آتا ہے، وہ خود اعتمادی کا جذبہ ہے، پوری مجلس کی توجہ ایک نقطہ پر مرکوز ہوتی ہے، یعنی اعلیٰ دماغوں کی ایک ایسی سوسائٹی پیدا کرنا جو تہذیب و تمدن اور سائنس کی شاہراہ پر گامزن ہو، عام جلسوں میں بھی اتاترک کی کوشش سب سے زیادہ اسی جذبہ خود اعتمادی و برتری کے پیدا کرنے پر مبذول رہتی ہے، ایسے جلسوں میں شریک ہونے کے بعد جن میں اتاترک موجود رہا ہو، لوگوں کی ساری قنوطیت اور پریشانی کا خاتمہ ہوجاتا ہے، اور ہر شخص اس بڑے سردار کی عظمت کو محسوس کرنے لگتا ہے، اور یہ بھی محسوس کرتا ہے، کہ اس پر بھروسہ کرنا ملک کی فلاح و ترقی پر یقین رکھنے کے ہم معنی ہے، اس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے خیالات کی قوت اور بحث و مباحثہ کی غیر معمولی قابلیت سے جلسہ کا مطمح نظر بدل دیتا ہے،

یہ بھی اتاترک ہی کی کوششوں اور اور تعلیمی سرگرمیوں کا نتیجہ ہے کہ ترکی سوسائٹی نے اُن مشکلات کو باسانی رفع کردیا ہے، جو عورتوں کی راہ آزادی میں حائل تھیں، ترکی میں عورتوں کو عدالت کی کرسیوں پر بٹھا دینا، انہیں ملکی عہدوں پر مامور کرنا، مدرسوں میں تعلیم کی خدمت سپرد کرنا، سائنس کے معملوں میں تجربہ اور تحقیق کے لئے بھیجنا، کوئی آسان کام نہیں ہے، اس کے لئے سوسائٹی کو قوت کے ذریعہ مجبور نہیں کیا جاسکتا، اس کے لئے صرف وہی طریقے کامیاب ہوسکتے ہیں، جو سخت نہ ہوں، یہ مقصد صرف ترغیب اور استقلال کے ساتھ تعلیم دیتے رہنے سے حاصل ہوسکتا ہے، اس کام کو اتاترک نے اپنی ذاتی کوشش سے سرانجام دیا ہے،

تدبر، اتاترک فن حرب کا بہت بڑا ماہر ہے، اسے کبھی کسی جنگ میں شکست نہیں ہوئی، اور وہ ہمیشہ فتحیاب رہا،

جب کبھی اس کے درجہ کے کمانڈر سیاست میں داخل ہوئے ہیں، انھوں نے تقریباً ہمیشہ صرف قوت کے ذریعہ سے حکومت کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اتاترک کا سیاسی نقطۂ نظر اس سے بالکل مختلف ہے، اس کا خیال ہے کہ قوت اور فن حرب کی مہارت کو ہمیشہ بلند تر مقاصد اور نصب العین کے ماتحت ہونا چاہئے، اس کے نزدیک قوت محض ایک ذریعہ ہے، بلند تر اور عادلانہ مقاصد کے تحفظ کا جسے کبھی اپنے حدود سے تجاوز نہ کرنا چاہئے،

گذشتہ دو صدیوں میں سلطنت عثمانیہ کے پیش نظر کوئی واضح نصب العین نہ تھا، اگرچہ ٹیونس، الجیریا، مصر، کریٹ، بلغاریا، بوسینا، ہرزگووینا اور عرب کے متعدد ٹکڑے دولت علیہ سے بالکل علحدہ ہوگئے تھے، تاہم باب عالی انھیں اپنے ہی زیر نگیں خیال کرتا تھا، باوجود اس کے کہ خود اپنے دار السلطنت میں بھی اسے عدالتی اور مالیاتی قوانین جاری کرنے کا حق باقی نہ رہ گیا تھا، جنگ عظیم کے بعد جب کہ سلطنت کے تجربہ کار مدبرین نے ۱۹۱۸ء میں اتحادیوں سے صلح کی گفتگو شروع کی تو شرائط صلح میں پورے عرب نیز یورپ کے بہت سے علاقوں کا مطالبہ پیش کیا، گویا جنگ کے وہ تمام بڑے بڑے واقعات پیش ہی نہیں آئے تھے، ان کے نزدیک دیکھنے کی چیز صرف یہ تھی، کہ سلطنت کی ظاہری شکل قائم رہے، اگر ان کی فرمانروائی نام کیلئے تسلیم کرلیجاتی، تو انھیں اس بات کی پروا نہ ہوتی کہ حکومت میں غیر ملکیوں کو بھی شریک کرنا پڑے گا،

اتاترک کا نقطۂ نظر اس سے بالکل مختلف تھا، لیکن قومی تحریک کی کامیابی کوئی آسان چیز نہ تھی، کیونکہ ترکی قوم اور ملک کی آزادی صرف ہتھیاروں اور خونریزی سے حاصل ہوسکتی تھی، فتحیابی کے بعد اپنے سابق سیاسی مسلک پر دیانتداری کے ساتھ قائم رہنا اور پھر اس پالیسی کو مستقل طور پر اختیار کرلینا، کہ ترکی اپنی قومی سرحدوں سے تجاوز نہ کرنے پائے، یہ اتاترک ہی کی جیسی عظیم المرتبت شخصیت کا کام تھا، اتاترک کے اس مسلک نے ہمکو بہتیری غلطیوں سے محفوظ رکھا ہے، اور ہمارے لئے ایک صحیح راہ پیش کردی ہے،

ہم نے اتحاد اسلامی (پان اسلامزم) اور اتحاد تورانی (پان تورانیزم) کی پالیسی کو کلیۃً مسترد کردیا ہماری قومی پالیسی یہ قرار پائی، کہ جو ممالک ہمارے دشمن نہیں ہیں، ان سے ایک مضبوط اور سچی دوستی پیدا کیجائے

جہانتک ملکی حفاظت کا تعلق ہے، قومی پالیسی کی بنیاد ایک جدید نظریہ پر رکھی گئی، یعنی اس بات کی احتیاط کیجائے کہ ابتدا اور زیادتی اپنی طرف سے نہ ہونے پائے، لیکن جب ہم پر مادی یا اخلاقی حملے شروع کر دیئے جائیں خواہ وہ حملے چھوٹے ہوں یا بڑے، اسوقت ہم ترکی کے تمام وسائل کو بروے کار لانے پر مجبور ہو جائیں گے،

تاریخ کا طالب علم، اتاترک کو عام تاریخ، اور خصوصًا ترکی تاریخ کے مطالعہ سے گہری دلچسپی ہے، جن دنوں وہ تاریخ کا مطالعہ کرنے لگتا ہے، دس دس گھنٹے روز پڑھا کرتا ہے، اور یہ سلسلہ کئی کئی سال جاری رہتا ہے، جب وہ اہل سائنس اور ماہرین فن کے ساتھ مطالعہ کرتا ہے، تو پھر اُسے وقت کے گذرنے کا احساس باقی نہیں رہتا، میں نے اُسے اکثر اوقات مسلسل چوبیس چوبیس گھنٹے، بلکہ اس سے بھی زیادہ کام کرتے دیکھا ہے، اسکی تاریخی تحقیق کے نتائج تمدنی حیثیت سے بہت اہم ثابت ہوئے ہیں، خود اسکی ذاتی نگرانی میں اسکولوں کے لئے تاریخ کی درسی کتابیں از سر نو لکھی گئی ہیں، آثار قدیمہ کی دریافت میں زیادہ کوشش کی گئی ہے، تاریخ کے جو نئے حقائق دریافت ہوئے ہیں، ان سے قوم کو مستفید کیا گیا ہے، اور ان حقائق کو بین الاقوامی دنیا کے سامنے مطالعہ کے لئے پیش کیا گیا ہے، ترکی تاریخ کے مطالعہ کے لئے ایک مخصوص سوسائٹی قائم کی گئی ہے، اور اس سوسائٹی نے اپنے کام اور خیالات بڑی بڑی انجمنوں کے سامنے پیش کرنا شروع کر دئے ہیں، اس کے نتائج قومی نیز تمدنی نقطۂ نظر سے بہت اہمیت رکھتے ہیں، چنانچہ ترکی قوم نے اب یہ معلوم کر لیا ہے، کہ وہ بھی دنیا کی موجودہ قدیم ترین قوموں میں سے ہے، اور اس کا تمدن بھی نہایت قدیم ہے، اس انکشاف سے اسکی خود اعتمادی اور تمدن دوستی میں ترقی ہو گئی ہے،

ترکی زبان کا مطالعہ، اتاترک اسوقت ترکی زبان کے مطالعہ و تحقیق میں مصروف ہے، اور اس کام کے لئے اس نے شروع میں لسانیات کا پوری طرح مطالعہ کیا ہے، یہ کام سالوں سے جاری ہے، اور یہ بھی حسب دستور اجتماعی طور پر اور بحث و مباحثہ کیساتھ کیا جا رہا ہے،

ترکی زبان کے مطالعہ کے لئے ایک خاص سوسائٹی قائم کی گئی ہے، کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں، روئداد اس سنائی جاتی ہیں، ان جلسوں کی شرکت کے لئے بین الاقوامی شہرت کے بڑے بڑے فضلا مدعو کئے جاتے ہیں، ۱۹۳۶ء کی

بڑی کانگرس جو دولمہ باغچہ کے محل میں منعقد ہوئی تھی، اس کے ارکان کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی، اور اس میں برطانوی، فرانسیسی، اطالوی، جاپانی، روسی، آسٹرین، پولش، جرمن، ہنگرین، یونانی اور بلغاری فضلا بھی شامل تھے،

ان تمام سرگرمیوں سے معلوم ہوتا ہے، کہ ایک معمار قوم کی حیثیت سے جو اپنے نصب العین کے حصول یعنی قومی عمارت کی تعمیر میں شب و روز مصروف ہے، اتاترک کا پایہ کسقدر بلند ہے، ترکی قوم اسکی گرویدہ ہے، اور ان کارناموں کیلئے بھی اسکی ویسی ہی ممنون احسان اور شکر گذار ہے، جیسی اسکی فوجی فتوحات کے لئے۔ "ع ز"

آٹھویں صدی میں وزن کی اہمیت

سر فلنڈر پیٹری کا آٹھویں صدی کے بعض سکوں کے وزن کا بیان دلچسپی سے خالی نہیں، اسکے مطالعہ سے ہم مسلمان کیمیا دانوں کے وزن کی اہمیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں، موجودہ زمانہ میں دینار اور درہم کے سکوں کے درمیان اوسط طور پر ۴۰۰ گرام کا فرق ہوتا ہے، لیکن ۸۰۲ء کے تین سکوں کے وزن یہ ہیں:- ۳۲٫۶۶۲، ۳۲٫۶۶۵، اور ۳۲٫۶۶۰ گرین یعنی دو سکوں کے درمیان تقریبًا ۳ ملی گرام کا فرق ہوتا ہے، بقول سر فلنڈر، "اتنے بہتر توازن کیلئے نہایت نازک کیمیاوی میزان کی ضرورت ہے، جو شیشہ کے بکس کے اندر ہو، اور اس کے نمایندہ (Pointer.) کی حرکت (Swings.) کی کافی تعداد پڑھنے کی ضرورت ہے، توازن کی ایسی صحت کا سمجھنا دشوار نظر آتا ہے، آٹھویں صدی کے توازن کی نظیر کسی دوسری صدی میں نہیں ملتی،"[1]

توازن کے موضوع پر مسلمان کیمیا دانوں کا کافی ذخیرہ موجود ہے، جن میں ان کے نظریے اور تجربے درج

[1] "عین الصنعۃ" گیارہویں صدی کی ایک عربی کیمیاوی تصنیف کے متعلق مسٹر اسٹیپلٹن لکھتے ہیں، "اس کتاب کا تیسرا اور چوتھا باب خاص طور سے لائق مطالعہ ہے، کیونکہ ان سے (عربوں کی) وہ اہمیت ظاہر ہوتی ہے، جو کیمیائی عمل میں وزن کو دیجاتی تھی، وزن کی یہ نزاکت بلیک (Black) اور لیوائسر (Lavoiser) سے سات سو برس پہلے رائج تھی" میموائرز ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جلد ۸ نمبر ۴، (ش)

ہیں، ثابت بن قرہ کی مشہور تصنیف کتاب فی القرسطون ابتک انڈیا آفس کی لائبریری اور برلن کے کتبخانہ میں موجود ہے[1] ثابت بن قرہ کے علاوہ ابن سینا، الفارابی، قسطا بن لوقا[2]، ابن الہیثم وغیرہ اس سلسلہ میں خاص طور سے لائق ذکر ہیں لیکن اس فن میں سب سے اہم تصنیف الخازنی کی ہے، جو سلطان سنجر کے لئے ۱۱۲۱ء میں لکھی گئی، اس میں مصنف نے نہ صرف مختلف قسم کی میزانوں کو بیان کیا ہے، بلکہ ان پر اقلیدسی اور طبیعاتی حیثیت سے بحث بھی کی ہے، الخازنی کی تصنیف میزان الحکمۃ[3] میں آبی میزان (Hydrostaticbalance.) کے مفصل بیان کے علاوہ کثافت نوعی (SP.GR) کی ایک فہرست بھی درج ہے، جس کے اعداد موجودہ زمانہ کے تحقیق شدہ اعداد سے بہت کم فرق رکھتے ہیں، مثلاً جست کی کثافت مذکورۂ بالا کتاب میں ۳۲ء۱۱ ہے، اور آج کل اس کی کثافت ۳۵ء۱۱ مانی جاتی ہے،

توازن کی اہمیت کو مدنظر رکھ کر لاجد کی نے اپنا مشہور قانون "عناصر آپس میں جب ملتے ہیں، تو ایک خاص وزن کے ساتھ" مرتب کیا، اور آج یہ قانون ہر کیمیادان کی زبان پر ہے،

(زمنۂ وسطیٰ کی ایک میزان (شیشہ کی ڈبیہ کیساتھ) کی تصویر برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں ٹامس نارٹن کی ایک تصنیف میں درج ہے،

(ترجمہ مضمون پروفیسر ای. ایچ ہولمیارڈ) "ش"

---

[1] ۷۶۷ نمبر (انڈیا آفس لائبریری) و نمبر ۶۰۲۳، کتب خانہ برلن، [2] قسطا بن لوقا مذہباً عیسائی تھا (ش)

[3] خوش قسمتی سے یہ کتاب بقول "انسائیکلوپیڈیا اسلام" اب تک محفوظ ہے، الخازنی کا پورا نام ابو منصور ابو الفتح عبدالرحمن الخازنی ہے (ش)

معارف :- اس کے نسخے بمبئی کے کتب خانہ جامع مسجد اور حیدرآباد کے کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہیں، ۵۱۵ھ میں یہ کتاب لکھی گئی،

اخبار علمیہ

سوویٹ روس کے اخبارات

سوویٹ روس کے لوگ تمام دنیا کے لوگوں سے زیادہ اخبار پڑھنے کے شائق ہیں، ۱۹۳۶ء میں مختلف قسموں کے (۹۲۵۰) اخبار روس میں شائع ہوتے تھے، اور ان کے پڑھنے والوں کا شمار (۳۸۰۰۰۰۰۰) تھا، برخلاف اس کے ۱۹۱۳ء میں جب کہ روس پر زار کی حکومت تھی اخباروں کی بڑی سے بڑی تعداد (۸۵۹) تھی، تاہم اخبارات کی موجودہ کثرت کے باوجود اہل روس مطمئن نہیں ہیں، اور وہ اور زیادہ کے خواہشمند ہیں، اس خواہش کے پورا نہ ہونے کا سب سے بڑا سبب کاغذ کی کمی ہے، ماہرین کا تخمینہ ہے، کہ اگر اخبارات کی اشاعت بڑھادی جائے، تو پراودا (Pravda) جو کمیونسٹ پارٹی کا آفیشل آرگن ہے، اور آئیوسٹیا (Izvestia) جو سوویٹ حکومت کا سرکاری اخبار ہے، دونوں کی روزانہ اشاعت پندرہ لاکھ سے ایک کروڑ تک پہونچ جائیگی،

روسی اخبارات کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ تفریح اور دلچسپی کے بجائے ناظرین کے فائدہ کے لئے شائع کئے جاتے ہیں، عموماً پہلے صفحہ کے پہلے اور دوسرے کالموں میں معاشی زندگی کے کسی اہم پہلو پر ایک سنجیدہ مقالہ ایڈیٹر کے قلم سے ہوتا ہے، جس میں ملک کے مختلف حصوں کے زراعتی اور صنعتی حالات پر روشنی ڈالی جاتی ہے، پہلے صفحہ کے بالائی حصہ میں تیسرے اور چوتھے کالموں میں اکثر کوئی نقشہ ہوتا ہے، اور دوسرے ملکوں کی خبریں درج ہوتی ہیں، قومی دلچسپی کے قصے صفحہ کے زیریں حصہ میں ہوتے ہیں، اسپین کے موجودہ خلفشار کی وجہ سے غیر ملکی خبریں اکثر پانچویں اور چھٹے کالموں میں بھی درج ہوتی ہیں، ساتواں اور آٹھواں کالم اہم

قومی مسائل کے لئے وقف ہوتا ہے، مثلاً پیداوار اور تقسیم کے مسائل، کبھی کبھی کسی سیاسی مقالہ یا اداریہ کیجگہ کوئی کارٹون بھی ہوتا ہے،

آئیوسنیا چار صفحوں کا بڑی تقطیع کا اخبار ہے، جس کا سائز ۲۶ ½ × ۲۰ انچ ہے، پراودا میں چھ صفحے ہوتے ہیں، اور اس کا سائز ۲۳ ½ × ۱۶ ½ انچ ہے، دونوں صبح کو شائع ہوتے ہیں، ہر ایک کی قیمت فی پرچہ ایک آنہ ہے،

سوویٹ روس کا ہر اخبار ملک کے کسی ایک شعبہ کی ترجمانی کرتا ہے، مثلاً کوئی اخبار حکومت کا ترجمان ہے، کوئی ریوے کا، کوئی سرخ فوج کا کوئی نوجوان اشتمالیوں کا، کوئی زراعتی اداروں کا، کوئی صنعتی انجمنوں یا تعاون باہمی کی تحریکوں کا، ان میں سے بعض مشینوں میں ٹائپ سے چھپتے ہیں بعض ہاتھ سے لکھ کر چھاپے جاتے ہیں بعض ٹائپ سے لکھے جاتے ہیں، اور بعض محض قلمی شائع ہوتے ہیں، بعض اخبارات چار صفحوں کے ہوتے ہیں، اور بعض صرف ایک ورق کے، بعض کی اشاعت لاکھوں تک پہنچی ہے، اور بعض صرف دیواروں پر چسپاں کردیئے جاتے ہیں، جہاں کارخانوں کے مزدور اکر انھیں پڑھ لیتے ہیں، روس کے اخبارات (۶۹) زبانوں میں نکلتے ہیں، اسوقت روس میں ڈیڑھ سو سے زیادہ زبانیں بولی جاتی ہیں، گذشتہ سال روسی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں میں جو اخبارات شائع ہوتے تھے، انکی تعداد (۲۹۶۵) تھی،

امریکہ کے دماغی مریض

گذشتہ مئی کی رپوٹ ہے کہ امریکہ کے ہسپتالوں میں (۵۲) فی صدی مریض دماغی بیماریوں میں مبتلا تھے، آج امریکہ کے چارسو شفاخانوں میں ایسے پانچ لاکھ مریض زیر علاج ہیں، اُن بچوں کی تعداد جو آیندہ دماغی بیماریوں کا شکار ہونے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں، دس لاکھ ہے، ڈاکٹروں کے خیال میں امسال امریکہ کے ایک لاکھ پچیس ہزار باشندے دماغی امراض میں مبتلا ہو جائیں گے، جن کے علاج پر ریاستہائے متحدہ کے ٹکس دینے والوں کو دس لاکھ ڈالر ہر روز صرف کرنا پڑیں گے،

مذکورہ بالا اعداد اُس روئداد سے ماخوذ ہیں جو گذشتہ مئی میں امریکہ کی انجمن امراضِ دماغی کے سالانہ اجلاس میں سنائی گئی تھی، اس انجمن کا اجلاس پٹسبرگ (Pittsburg.) میں منعقد ہوا تھا، اور اس میں امراض دماغی کے دو ہزار ماہرین نے شرکت کی تھی، اور ایک سو سے زیادہ مقالات پیش کئے گئے تھے،

ان دماغی بیماریوں میں سب سے زیادہ عام شیزوفرنیا (Schizophrenia.) ہے، تخمینہ کیا گیا ہے کہ دماغی امراض کے شفاخانوں میں اس کے مریضوں کی تعداد (۶۰) فی صدی ہے، اس کی مخصوص علامتیں یہ ہیں: کسی چیز سے دلچسپی کا نہ ہونا، سستی، عزلت پسندی، بے پروائی، اور تدریجی انحطاط جس کا نتیجہ بالآخر یہ ہوتا ہے، کہ انسان کی زندگی محض نباتات کی زندگی ہو کر رہ جاتی ہے، اور اس کے اندر خود کوئی عزم و ارادہ باقی نہیں رہتا، اب تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ بیماری کس سبب سے پیدا ہوتی ہے، اس کے مریضوں کے دماغوں کا معائنہ کرنے سے معلوم ہوا ہے، کہ جسمانی حیثیت سے اُن میں کوئی نقص نہیں ہے، ہر سال تیس چالیس ہزار آدمی اس مرض میں مبتلا ہوتے ہیں، ان میں سے صرف ایک ثلث کو شفا ہوتی ہے، دوسری عام بیماری مرگی ہے، جس پر سالانہ ایک کروڑ بیس لاکھ ڈالر صرف ہوتے ہیں، پانچ لاکھ سے زیادہ امریکن اس میں مبتلا ہیں، یعنی اتنے ہی جتنے ذیابیطس یا تپ دق کے مریض ہیں،

ایک مفید ایجاد

ان بدقسمتوں کے لئے جو بینائی سے محروم ہوں، عرصہ ہوا خاص قسم کی کتابیں اُبھرے ہوئے حروف میں تیار کی گئی تھیں، اور آنکھوں کی کمی ہاتھ سے پوری کرنے کی کوشش کی گئی تھی، مشق کے بعد نابینا اُبھرے ہوئے حروف پر ہاتھ پھیر کر عبارت پڑھ سکتا تھا، لیکن یہ مشق آسانی سے ممکن نہ تھی، اور نہ یہ کتابیں ہر شخص کے لئے سہل الحصول تھیں، یہی وجہ ہے کہ یہ ایجاد زیادہ مقبول نہ ہوئی، اور امریکہ جیسے ملک میں بھی جہاں نابینا اشخاص کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے، پچھتر فی صدی نے اُبھرے ہوئے حروف کا پڑھنا، آج تک نہیں سیکھا، یہ غریب

دنیائے ادب کی دلچسپیوں سے بالکل محروم تھے لیکن حال میں ان کے لئے ایک خاص قسم کا فونوگراف ریکارڈ تیار کیا گیا ہے، جو کتابوں کو خود مصنف کی زبان سے پڑھکر سناتا ہے، یہ ریکارڈ آہستہ آہستہ چلتا ہے اور سولہ منٹ تک چلتا رہتا ہے، ایک اوسط درجہ کا ناول بارہ سے چودہ ریکارڈوں میں ختم ہوجاتا ہے، امریکہ میں اسوقت تک دو سو کتابوں کے ریکارڈ تیار کئے جا چکے ہیں، جن کی تعداد سولہ ہزار ہے، یہ ریکارڈ قدیم طرز کے فونوگراف پر بھی چلائے جا سکتے ہیں، اگر ان کے چکر کی رفتار کم کرکے (۳۳) فی منٹ کردیجائے، جو کتابیں ریکارڈ کی جاتی ہیں، اُن کا انتخاب ایک خاص کمیٹی کرتی ہے، زیادہ تر ناول، ڈرامے، افسانے، مقالات، نظمیں، اور تعلیمی مضامین ریکارڈ ہوتے ہیں، ناول سب سے زیادہ مقبول ہیں، ڈراما کو کوئی ایک شخص ریکارڈ نہیں کرتا، بلکہ اس کے تمام ایکٹر ل کے کرتے ہیں، اکثر اوقات مصنفین خود اپنی کتابوں کو ریکارڈ کرتے ہیں، نابینا اشخاص کی درخواست پر پبلک لائبریریوں سے یہ ریکارڈ بلا معاوضہ چند دنوں کے لئے مل سکتے ہیں، اگر کوئی شخص مشین خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتا، تو ایک مخصوص انجمن کی طرف سے اُسے ایک مشین بھی عاریتہً دیدیجاتی ہے،

دُورخی گھڑی

ایک نئی قسم کی گھڑی ایجاد کی گئی ہے، جو دوپہر سے قبل اور بعد کے اوقات علحدہ علحدہ بتاتی ہے، اس ٹائم پیس کے ڈائل میں سوراخ ہیں، جن کے اندر سے ہندسے نظر آتے ہیں، دوپہر کے وقت ڈائل کے نیچے کی ٹکیہ جس پر ایک سے بارہ تک کے ہندسے لکھے ہوتے ہیں، خود بخود ایک طرف منتقل ہوجاتی ہے اور اسکی جگہ دوسری ٹکیہ آجاتی ہے، جس پر تیرہ سے چوبیس تک کے ہندسے درج ہوتے ہیں،

"ع ز"

ادبیات

خونِ جگر

از

جنابِ جگر مرادآبادی

اب کہاں زمانے میں دوسرا جواب اُن کا
فصلِ حسن ہے ان کی موسمِ شباب اُن کا

عرضِ شوق پر میری پہلے کچھ عتاب ان کا
خاص اک ادا کے ساتھ اف وہ پھر حجاب ان کا

رنگ و بو کی دنیا میں اب کہاں جواب اُن کا
عشق فرشِ بزم ان کا حسن فرشِ خواب ان کا

اوجِ پر جمال ان کا جوشِ پر شباب ان کا
عہدِ ماہتاب ان کا دورِ آفتاب ان کا

ہم سے پوچھ اے ناصح دل گرفتگی ان کی
ہم نے چھپ کے دیکھا ہے عالمِ پر آب ان کا

رنگ و بو کے پردہ میں کون پھوٹ نکلا ہے
چھپ سکا چھپائے سے کیا کہیں شباب ان کا

اس طرح سے ہوں غارت ہائے عشق کی غفلت
جان کہ ہے صدا ان کی، دل کہ ہے رباب انکا

یونہی کھلتے جاتے ہیں عشق و حسن کے اسرار
اک نفس سوال اپنا، اک نفس جواب ان کا

اور کس کی یہ طاقت، اور کس کی یہ جرأت
عشق، آپ آڑ اپنی، حسن خود حجاب ان کا

کہئے حالِ دل لیکن، دیکھئے کن آنکھوں سے
ہر سکوں کے پردے میں حشرِ اضطراب ان کا

پھول مسکراتے ہیں دل پہ چوٹ پڑتی ہے
ہائے وہ رخِ خنداں اف رے وہ شباب ان کا

عشق ہی کے ہاتھوں میں کچھ سکت نہیں رہتی
ورنہ چیز ہی کیا ہے، گوشۂ نقاب ان کا

کیا اسی کو کہتے ہیں، ربط و ضبطِ حسن و عشق
شوق نارسا اپنا، ناز کامیاب اون کا

ضبط کا جنھیں دعوی، عشق میں رہا اکثر،
ہم نے حال دیکھا ہے، بیشتر خراب اون کا

جیسے حسن کی دیوی جھانکتی ہو چلمن سے،
نیم و اسی آنکھوں میں، اف وہ کیف خواب ان کا

عرض غم نہ کر اے دل، دیکھ ہم نہ کہتے تھے،
رہ گئے وہ "اُنھ" کہکر، سن لیا جواب ان کا

تو جگر جو رسوا ہے، تو ہی آہ رسوا رہ
نام تو نہ کر رسوا، خانماں خراب انکا

بیانِ امجد

ازحکیم الشعراء سید احمد حسین صاحب امجد حیدرآبادی

نالۂ جانِ خستہ جاں عرش بریں پہ جائے کیوں
میرے لئے زمین پر صاحب عرش آئے کیوں

نور زمین و آسمان، دیدہ و دل میں آئے کیون
میرے سیاہ خانے میں کوئی دیا جلائے کیوں

دیکھے تجھے جو اک نظر، ہوش میں پھر وہ آئے کیوں
جسکو ترے قدم ملیں سجدے سے سر اٹھائے کیوں

اسکے نہ یاد کرنے کا شکوہ ہے سر بسر غلط،
جور ہے اس کی یاد میں پھر وہ اسے بھلائے کیوں

بخشنے والا جب مرا عفو پہ ہے تُلا ہوا،
مجھ سا گناہ گار پھر جرم سے باز آئے کیوں

جور و جفائے یار کی کیجئے کیا شکایتیں
عاشقِ عافیت طلب، اس کی گلی میں جائے کیوں

سیکھ طریقۂ وصال سید نا حسین رض سے،
ہم نہ اگر گلا کٹائیں، کوئی گلے لگائے کیوں

زخم کو گدگداؤ کیوں بناؤ، درد کو اور کیوں بڑھاؤ
نسبت "ہو" کو توڑ کر کیجئے ہائے ہائے کیوں

جس نے چڑھائیں تیوریاں نام پہ میرے عمر بھر
اب وہ مرے مزار پر پھول چڑھانے آئے کیوں

امجد خستہ حال کی پوری ہو کیوں کر آرزو
دل ہی نہیں جب اس کے پاس مطلب دل بر آئے کیوں

مشاہدات

از جناب آرزش صدیقی

دوائے درد دعا کے سوا کچھ اور نہیں
دعا کمال رضا کے سوا کچھ اور نہیں،

وہ کوئی نالۂ غم ہو کہ نغمۂ مسرور،
شکستِ دل کی صدا کے سوا کچھ اور نہیں،

بجا ہے گر میری تعزیر ہو تغافلِ ناز
مرا قصور وفا کے سوا کچھ اور نہیں،

سلوکِ عشق میں کہتے ہیں جسکو گمشدگی
تلاشِ راہ نما کے سوا کچھ اور نہیں،

بس ایک عشق کو رنگ ثبات حاصل ہے،
وگرنہ زیست فنا کے سوا کچھ اور نہیں،

یہ راز مرحلۂ بے خودی کے بعد کھلا
خودی بھی لطفِ خدا کے سوا کچھ اور نہیں،

آرزش یہ عالمِ فرقت یہ کائناتِ وصال
خیالِ خواب نما کے سوا کچھ اور نہیں،

غزل

از جناب الطاف صاحب مشہدی

ہماری نگاہوں میں ہو گر جوانی،
بدل ڈالیں خوابوں سے دنیائے فانی

نہ میخانہ پیشِ نظر ہے، نہ وہ ہیں،
لئے جا رہی ہے کدھر عمرِ فانی

زباں تھک گئی تو محبت کا قصہ،
سنانا پڑا آنسوؤں کی زبانی

فرشتوں کی فطرت سے پاکیزہ تر ہے
تبسم کسی کا، ہماری جوانی

لئے اوس نے دامن میں موتی سمجھ کر
مزا دے گئی آنسوؤں کی روانی

میں روتا ہوں الطاف راتوں کو اٹھکر
ستاتی ہے جب مجھ کو یادِ جوانی،

مطبوعات جدیدہ

جمع القرآن والاحادیث، مولفہ جناب مولینا ابو القاسم محمد خانصاحب سیف بنارسی تقطیع بڑی ضخامت ۴۳۰ صفحات کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱۲ مرتبہ آل انڈیا اہل حدیث دار الاشاعت لاہور

بعض روایات کی بنا پر عام مسلمانوں میں یہ عجیب غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ قرآن عہد رسالت کے بعد حضرت ابو بکرؓ یا عثمانؓ کے زمانہ میں مرتب ہوا، اور احادیث کی تدوین عباسی عہد میں عمل میں آئی، اور اس غلط فہمی میں نہ صرف عوام بلکہ بہت سے خواص تک مبتلا ہیں، اس غلط شہرت کی وجہ سے مسلمانوں کے مخالفین طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ کلام اللہ اسی ترتیب کے ساتھ عہدِ رسالت میں مرتب ہو چکا تھا، اور حدیثیں بھی لکھی جاتی تھیں، گو آج ہمارے پاس اس عہد کا کوئی مجموعۂ حدیث نہیں ہے، بعض صاحب نظر اور محقق علماء نے اس سے پہلے بھی اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے مضامین اور مستقل رسالے لکھے، خصوصاً تدوین حدیث کی تاریخ پر تو بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، لیکن جہاں تک قرآن کی تدوین کی تاریخ کا تعلق ہے مولینا ابو القاسم کا رسالہ سب سے زیادہ جامع اور مدلل ہے، اس میں احادیث اور آثارِ صحابہ کی ناقابل تردید شہادتوں سے دکھایا گیا ہے، کہ قرآن عہدِ رسالت میں پورا مرتب ہو چکا تھا، اور موجودہ قرآن اسی عہد کا مرتب شدہ ہے، تمام دلائل نہایت مستند اور موثق ہیں، انکے دیکھنے کے بعد کسی صاحب نظر کو قرآن کے زمانہ ترتیب میں شک وشبہہ کی گنجائش نہیں رہجاتی، یہ بھی کچھ تعجب خیز امر ہے، کہ احادیث کی محض ایک آدھ روایتوں اور بعض تاریخی بیانوں سے تو یہ غلط فہمی اتنی عام ہو گئی لیکن کسی نے ان بے شمار حدیثوں کی طرف توجہ نہیں کی، جن کے ہوتے ہوئے عہدِ رسالت میں قرآن کی تدوین میں کسی شبہہ کی گنجائش ہی نہیں ہو سکتی، اس سلسلہ میں فاضل مؤلف سے اتنی فروگذاشت ہو گئی ہے، کہ ان روایات پر جن سے عہد صدیقی یا عثمانی میں قرآن کی ترتیب کا نتیجہ نکالا جاتا ہے، کوئی تنقید نہیں کی ہے، جس سے اس بحث کا ایک پہلو تشنہ رہ جاتا ہے، امید ہے آیندہ ایڈیشن میں اس کی طرف توجہ فرمائیں گے،

قانون بین الممالک، مؤلفہ جناب حمید اللہ صاحب ایم اے ایل ایل بی عثمانیہ ڈی فل جرمنی ڈی لٹ (پیرس) لکچرار قانون بین الممالک جامعہ عثمانیہ تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۰ صفحات کاغذ کتابت وطباعت اوسط قیمت ۱۲/ پتہ مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد دکن،

ہماری زبان میں اب تک "قوانین بین الممالک" پر کوئی مستقل کتاب نہ تھی، یہ پہلی تصنیف ہے، جو اگرچہ اپنے موضوع کو دیکھتے ہوئے بہت مختصر ہے تاہم اس حیثیت سے مصنف کی یہ کوشش لائق ستایش ہے، کہ انھوں نے ایک جدید موضوع کے لئے راستہ کھولدیا، کتاب کے آغاز میں ایک مقدمہ یا تمہید ہے، جس میں قوانین بین الممالک کی ابتدائی تاریخ بیان کی گئی ہے، پھر مملکت کی تعریف اور اس کے اقسام کا بیان ہے، اس سلسلہ میں بعض دیسی ریاستوں خصوصاً مملکت آصفیہ کی حیثیت پر تفصیلی بحث ہے، اس کے بعد آزاد حکومتوں کے اپنے حقوق اور حالات جنگ وامن میں مختلف حکومتوں کے باہمی حقوق وفرائض پر تفصیلی معلومات ہیں، اس کتاب کی بعض جدتیں قابلِ توجہ ہیں، مثلاً جرمن، فرنچ، اطالوی اور انگریزی زبانوں کے ان مخارج کو جن کا تلفظ ہندوستانی میں نہیں ہو سکتا، بعض اعراب اور الفاظ کے اضافوں سے ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جو ہمارے خیال میں بالکل غیر ضروری ہے، کہ ہر زبان کے تلفظ کا بدل ہندوستانی میں پیدا کرنا ناممکن ہے، پھر جا بجا املا، الفاظ کے معانی اور مصطلحات میں تصرفات کئے گئے ہیں، مثلاً الف مقصورہ کو "ی" کے بجائے ہر جگہ الف سے لکھا گیا ہے، "ہذا" کے بجائے "ہاذا"، "والسّد" کے بجائے "لے دے"، "برتتے" کے بجائے "برتت"، "لا بدی" کے بجائے "تعبدی"، "تحریف کرتے" کے بجائے "تعریف دینا"، "مراسلت" کے بجائے "لکھت"، اور اس قسم کے بہت سے تصرفات ہیں، زبان میں مفید اصلاحات کے قبول کرنے میں کسی کو عذر نہیں ہو سکتا، کہ اس سے زبان ترقی کرتی ہے، لیکن اس قبیل کے تصرفات کرنا تو زبان کو بگاڑنا ہے، ہمکو امید ہے کہ ڈاکٹر صاحب اپنی اس روش پر دوبارہ غور فرمائیں گے،

نورس، مولفہ جناب حامد اللہ صاحب افسر میرٹھی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۷ صفحات مجلد کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مذکور نہیں، پتہ، بھارگو اسکول بک ڈپو نمبر ۱۵ و ۱۶، امین آباد پارک لکھنؤ،

یہ کتاب مشہور مضمون نگار جناب حامد اللہ صاحب افسر کے مختلف سولہ مضامین کا مجموعہ ہے، بیشتر مضامین علمی سنجیدہ اور مفید ہیں، خصوصاً زبان ادب اور شاعری کی اصلاح و ترقی کے متعلق انھوں نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں، وہ ادب کے دور جدید کے لائق غور مسائل ہیں، اور زبان کی اصلاح و ترقی کے لئے ضروری ہیں، مضامین کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ افسر صاحب نے سنجیدگی اور دقت نظر کے ساتھ ان مسائل پر غور کیا ہے، ہم کو ان کی بیشتر رایوں سے اتفاق ہے، امید ہے کہ ہمارے ادبا بھی ادھر توجہ فرمائیں گے، انداز بیان دلنشین اور سلجھا ہوا ہے،

نیرنگ سودا، مولفہ جناب منشی عبد الرفیع صاحب علوی اثر کاکوروی تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۰ صفحات کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱۲ ار لالہ رام نراین لال بک سیلر الہ آباد،

ہماری شاعری کی تاریخ میں میر تقی میر، اور میرزا رفیع سودا دو متقابل شعرا مانے جاتے ہیں، اور ان کے مقابلہ اور موازنہ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے، جو غالباً درسی ضرورت کے لئے لکھی گئی ہے، اس میں میر اور میرزا کے مختصر حالات ہیں، اور میرزا کی شاعری کے متعلق تذکرہ نویسوں، ادیبوں اور نقادوں کی رائیں نقل کی گئی ہیں، جن نقادوں کی رائے سے مصنف کو اختلاف ہے، اس پر تنقید کی گئی ہے، اس کے بعد مرزا کے کلام پر تفصیلی، اور میر کے کلام پر ضمناً اجمالی ریویو کرکے میرزا کی شاعری کی خصوصیات اور اس کا درجہ واضح کیا گیا ہے، اور میرزا کے کلام میں جو خامیاں بتائی جاتی ہیں، اس کی تردید کرکے اس کے محاسن دکھائے گئے ہیں، اس سلسلہ میں جا بجا میر کے کلام سے موازنہ بھی کیا گیا ہے، لیکن انداز بیان سنجیدہ ہے، میر کی شاعری پر کوئی نا روا حملہ نہیں ہے، مجموعی حیثیت سے یہ کتاب مرزا کی شاعری پر ایک مبسوط اور اچھا تبصرہ ہے،

"م"

ڈنمارک کا دیہی نظام تعلیم، (انگریزی) از خان بہادر جناب ابو عبد اللہ محمد ذکاء اللہ خان صاحب ایم اے، ضخامت ۳۰ صفحے، چھوٹی تقطیع، قیمت ۸ر ملنے کا پتہ، دفتر کانفرنس گزٹ، علی گڈھ، و جامعہ پریس جامع مسجد دہلی،

ڈنمارک کا دیہی نظام تعلیم اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے دوسرے ملکوں کے تعلیمی نظاموں سے ممتاز اور زراعتی ملکوں کے لئے قابل تقلید بھی ہے، چنانچہ کچھ عرصہ سے امریکہ کے ماہرین تعلیم اس کا مطالعہ کر رہے ہیں، اور اسے اپنے ملک میں جاری کرنا چاہتے ہیں، ہندوستان میں بھی ابتدائی تعلیم کی اصلاح بہت کچھ ڈنمارک کے دیہی نظام تعلیم سے ہو سکتی ہے، اور اسی مقصد کو سامنے رکھ کر یہ رسالہ لکھا گیا ہے، مصنف نے خاص اسی غرض سے ڈنمارک کی سیاحت کی اور وہاں کے تعلیمی نظام کا ذاتی طور پر مطالعہ کیا، اس نظام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے، کہ دوران تعلیم میں کسانوں کے لڑکے اپنے آبائی پیشوں سے بالکل منقطع نہیں رہتے، بلکہ تعلیم کے ساتھ ساتھ زراعت کے کام میں اپنے والدین کی مدد بھی کرتے رہتے ہیں، اتنا ہی نہیں بلکہ انکی تعلیم کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ وہ زراعت کو سائنٹفک طریقہ پر ترقی دینے کے قابل بنائے جائیں، لڑکیوں کے لئے مخصوص مدارس ہیں، جہاں علوم و فنون کے علاوہ انھیں خانہ داری اور کاشتکاری کی بھی تعلیم دیجاتی ہے، تاکہ فارغ ہونے کے بعد وہ اپنے گھر کو پوری ذمہ داری کے ساتھ سنبھال سکیں، ان لڑکیوں کو بورڈنگ ہوس میں رہنا پڑتا ہے، لیکن جو لڑکیاں پڑوس میں رہتی ہیں، اور باضابطہ طور پر اسکول میں داخل نہیں ہیں، وہ بھی اسکول کی لڑکیوں کے ساتھ خانہ داری اور کاشتکاری کی عملی تعلیم حاصل کر سکتی ہیں،

یہ رسالہ اس قابل ہے کہ اس کا ترجمہ ہندوستانی زبان میں شائع کر دیا جائے، اور ہماری ملک کی ابتدائی تعلیم کا نظام اسکی روشنی میں از سر نو مرتب کیا جائے،

"ع ز"

مراۃ احمدی (اردو ترجمہ) مترجمہ جناب مولینا ابو ظفر صاحب ندوی تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۰ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت معمولی قیمت عہ، پتہ حاجی بدر الدین حسین الدین چشتی نظامی تاجر کتب

دیجزل مرچنٹ پانچ پٹی احمد آباد،

مرزا محمد حسن الملقب بہ علی محمد خان بہادر کی تاریخ مرآۃ احمدی فارسی میں گجرات کی نہایت مستند اور متداول تاریخ ہے، اس کا آخری حصہ اولیائے گجرات کے حالات میں ہے، مولینا ابوظفر صاحب ندوی نے افادۂ عام کیلئے اس کا اردو ترجمہ کر دیا ہے، ترجمہ صاف اور سلیس ہے، جابجا بعض بزرگون کے مقابر اور مآثر کے فوٹو بھی دیدیے ہیں،

اسباق النحو (حصہ دوم) مولفہ مولینا حمید الدین فراہی رح تقطیع اوسط ضخامت ۸۰ صفحات کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۶ر، پتہ دائرہ حمیدیہ سرائے میر ضلع اعظم گڈہ

یہ رسالہ مولینا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ کی اسباق النحو کا دوسرا حصہ ہے، اس میں فعل اور اس کے مشتقات وغیرہ کے آسان قاعدے بتائے گئے ہیں ہندوستان میں عربی نحو پر جسقدر کتابیں لکھی گئی ہیں، یہ رسالہ ان سب میں بہتر اور آسان تر ہے، اس سے عربی کے طلبہ تھوڑی سی مشق سے کم سے کم مدت میں نحو سیکھ سکتے ہیں،

قلعۂ معلیٰ کی جھلکیان، مولفہ جناب عرش تیموری تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۰ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱ر، پتہ مکتبہ جہاں نما اردو بازار جامع مسجد دہلی،

اس کتاب میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، قلعۂ معلیٰ دہلی یعنی خاندان تیموری کے کچھ تمدنی اور کچھ تاریخی جستہ جستہ واقعات دکھائے گئے ہیں، اس کے لکھنے والے تیموری خاندان کی یادگار ہیں، جنھون نے ان واقعات کو اپنے بزرگون سے سن کر لکھا ہے، اسلئے انھیں تاریخی سمجھنا چاہئے، کاش عرش صاحب ان ہلکی سی جھلکیوں کے بجائے قلعۂ معلیٰ کی خانگی زندگی کے پورے حالات لکھے ہوتے تو اس مٹے ہوئے تمدن کی ایک قلمی تصویر باقی رہجاتی،

جوش کے سو شعر، منتخبہ جناب محمود علی خانصاحب تقطیع جیبی ضخامت ۴۰ صفحات کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۴ر پتہ مکتبہ جامعہ ملیہ، دہلی،

یہ جناب جوش ملیح آبادی کی چند نظمون کا انتخاب ہو، جنکے اشعار کی مجموعی تعداد سو ہے، اگرچہ نظمون کے انتخاب میں جدت ضرور ہے لیکن اس سے شاعری کا پورا اندازہ نہیں ہوتا، لیکن انتخاب سلیقہ سے کیا گیا ہے، "م"

سیر الصحابہ

سیرۃ النبیؐ کے بعد مسلمانون کے لئے جن مقدس ہستیون کے کارنامے اور سوانح حیات مشعل راہ ہو سکتے ہین، وہ حضرات صحابۂ کرام ہین، دار المصنفین نے پندرہ برس کی جانفشانی وکوشش سے اس عظیم الشان کام کو انجام دیا، اور اردو مین صحابۂ کرام کے حالات وسوانح اور اخلاق وحسنات کی دس ضخیم جلدین احادیث وسیر کے ہزارون صفحات سے چنکر مرتب کین، اور بہ حسن وخوبی شائع کیں، ضرورت ہے کہ حق طلب اور ہدایت ورہنمائی کے جویان مسلمان ان صحیفون کو پڑھین، اور اس شمع ہدایت کی روشنی مین چلیں، جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ان کے سامنے جلائی گئی تھی، ان جلدون کی علٰحدہ علٰحدہ قیمتین حسب ذیل ہین، جنکا مجموعہ ۲۷ ر ہوتا ہے لیکن پورے سٹ کے خریدار کو صرف ۲۰ ر مین یہ دس جلدین کامل نذر کیجاتی ہین، پیکنگ ذمہ دار المصنفین، محصول ذمہ خریدار،

جلد اول، خلفائے راشدین،	سے ر	**جلد ششم**، سیر الصحابہ ششم، عہ ر
جلد دوم، مہاجرین اول،	ہیر	**جلد ہفتم**، سیر الصحابہ ہفتم، عہ ر
جلد سوم، مہاجرین دوم	سے ر	**جلد ہشتم**، سیر الصحابیات، عیر
جلد چہارم، سیر الانصار اول،	سے ر	**جلد نہم**، اسوۂ صحابہ اول، عہ ر
جلد پنجم سیر الانصار دوم،	عار	**جلد دہم**، اسوۂ صحابہ دوم، ہیر

منیجر دار المصنفین اعظم گڈہ